انیس شاعرِ انسانیت

کوثر نیازی

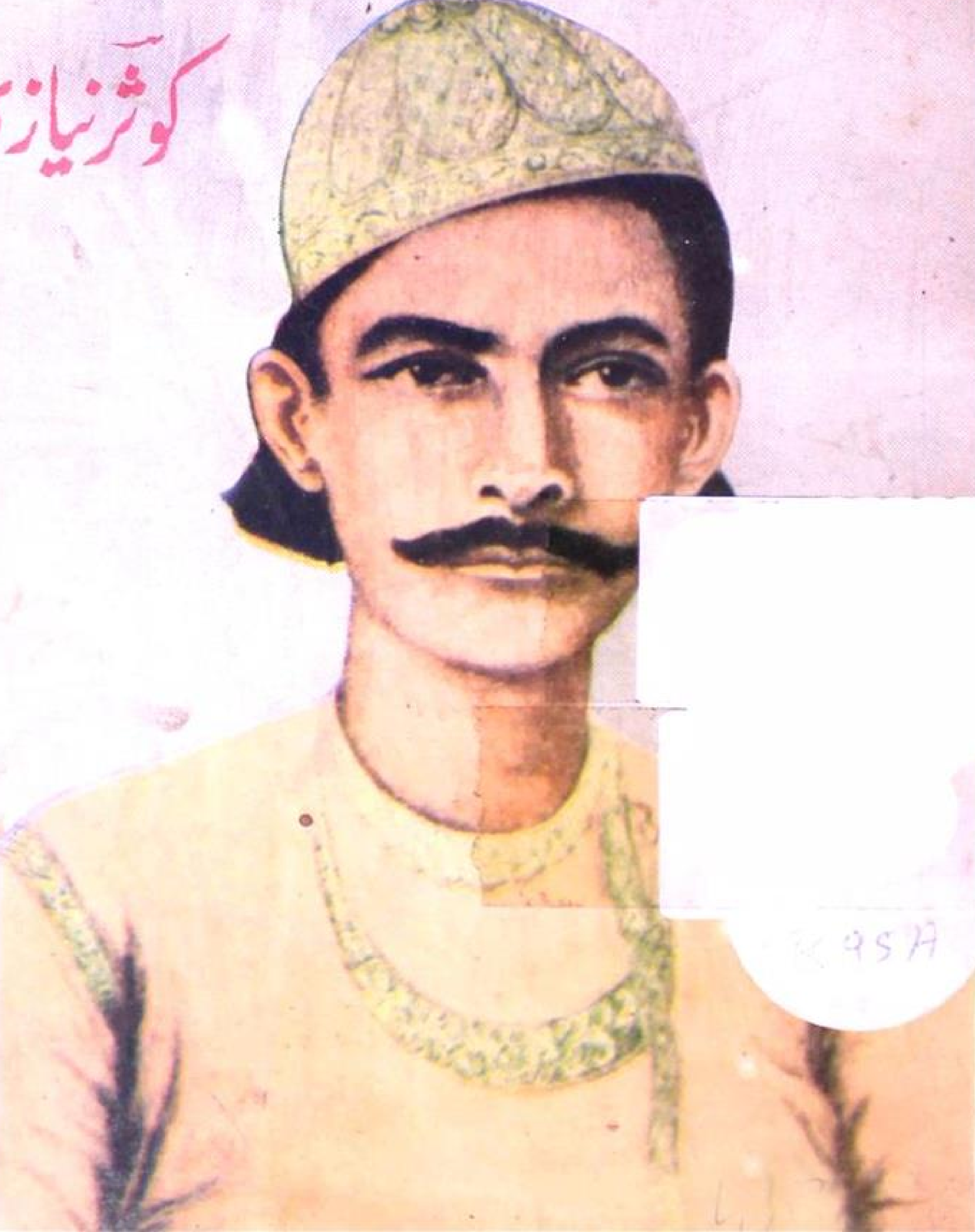

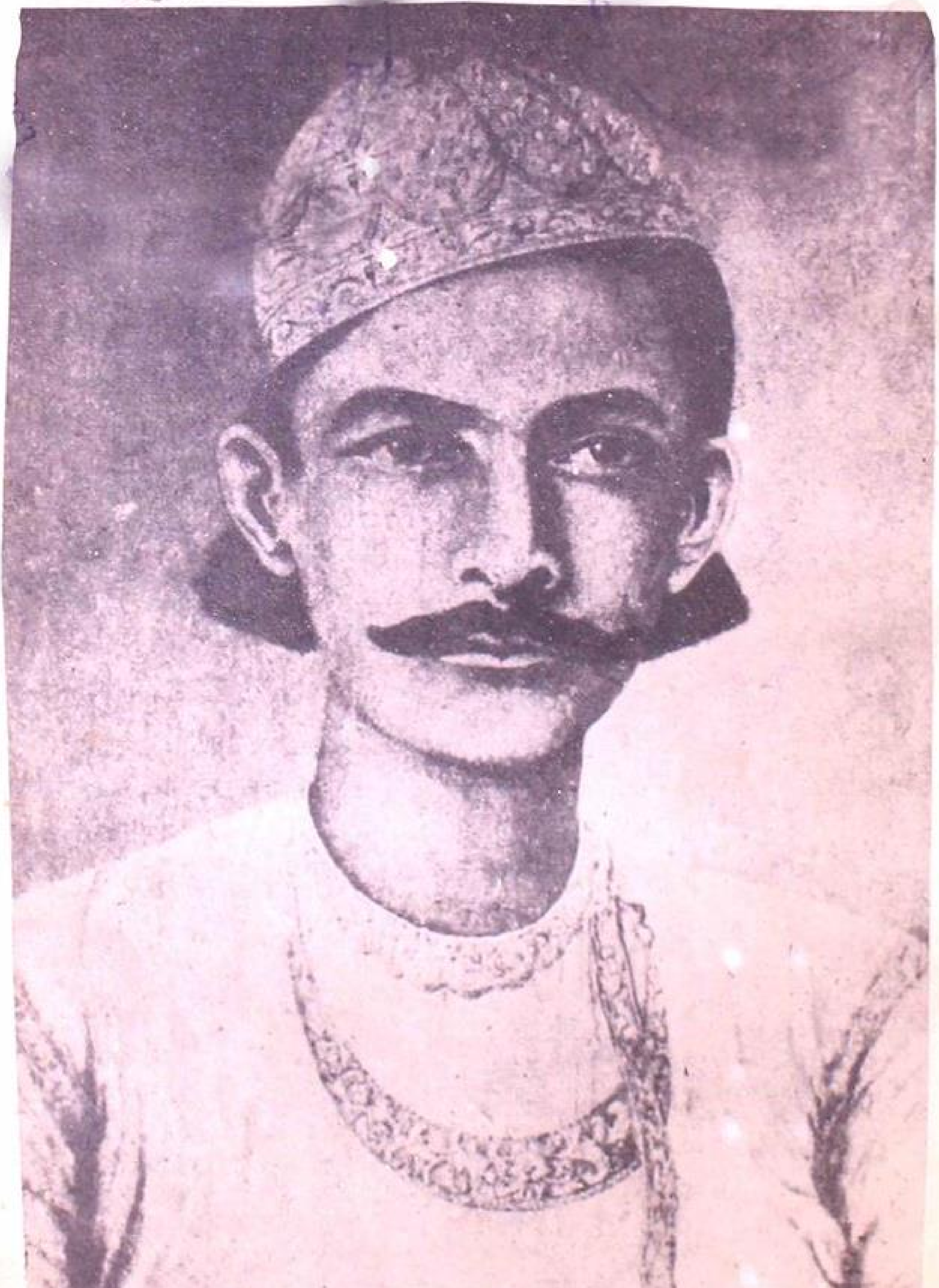

ہر صدی کا عظیم شاعر   میر انیس

مولانا کوثر نیازی

دبستانِ انیس راولپنڈی کے زیر
اہتمام صد سالہ جشنِ میر انیس کے
موقع پر لیاقت ہال راولپنڈی
میں مولانا کوثر نیازی، جوش
ملیح آبادی، ڈاکٹر سبطِ حسن رضوی۔

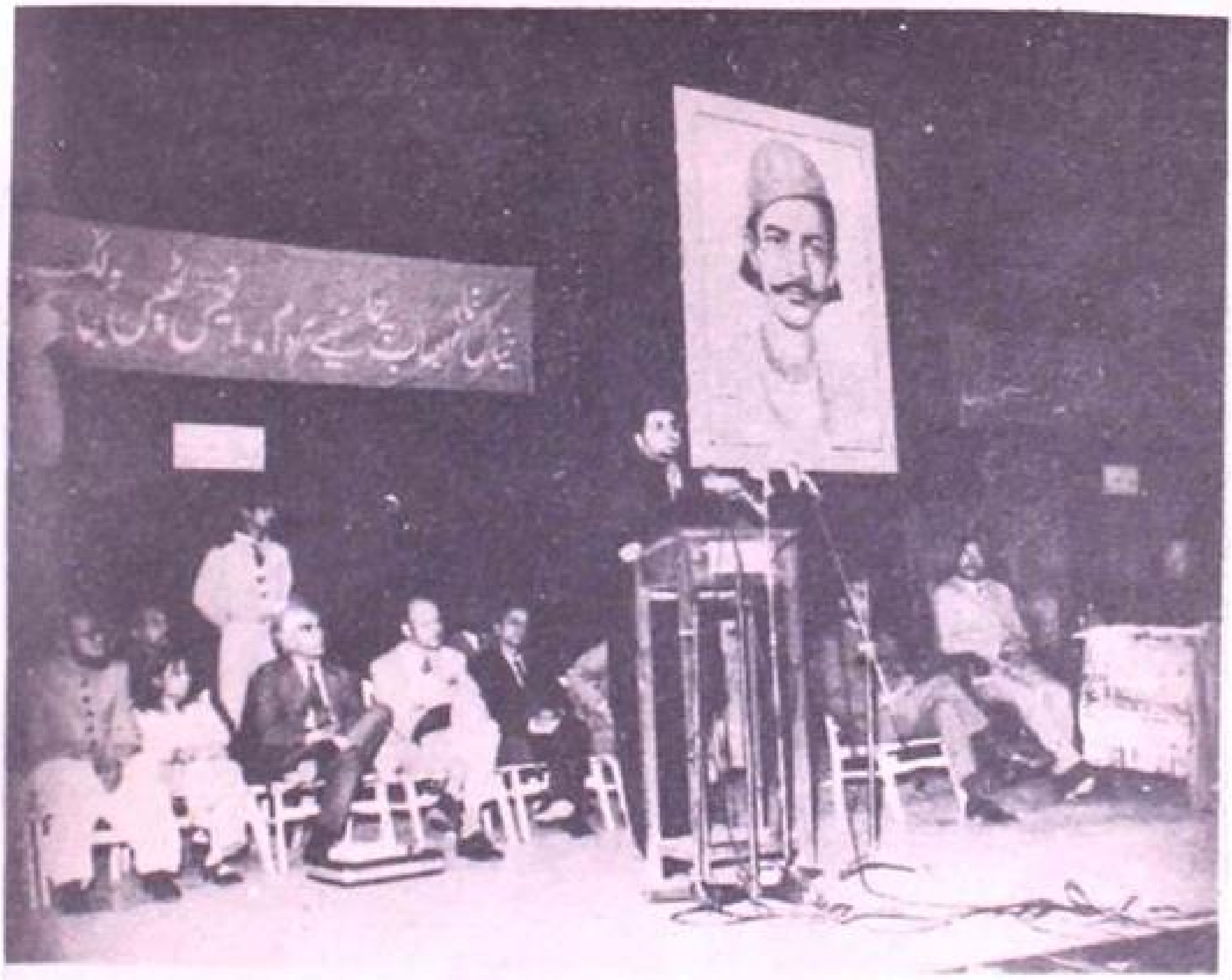

لیاقت ہال کے عظیم الشان اجتماع سے مولانا کوثر نیازی خطاب فرما رہے ہیں
اسٹیج پر ڈاکٹر فرمان فتحپوری اور وزیر آغا

خانہ فرہنگ ایران پشاور میں میر انیس
کی برسی کے موقع پر کتابوں کی نمائش
میں شاکر علی جعفری، منتظر نقوی، مرتضیٰ
اختر جعفری، ڈاکٹر سبط حسن اور ضمیر
اختر نقوی۔

اباسین آرٹس کونسل میں ۳ دسمبر ۷۵ء
کو یوم انیس کے موقع پر آقائی غلام
حسین فرقام کو ڈاکٹر سبط حسن مجلہ
دبستان انیس پیش کر رہے ہیں۔

ملتان :۔ عظیم شاعر میر ببر علی انیس کی صد سالہ برسی کے سلسلے میں پاکستان نیشنل سنٹر ملتان میں منعقدہ تقریب کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر علی اکبر جعفری ڈائریکٹر شعبہ تحقیقات فارسی پاکستان و ایران کر رہے ہیں
وفیسر شاکر علی جعفری، آغا سکندر مہدی، پروفیسر ڈاکٹر سید سبط حسن، ضمیر اختر نقوی اور ڈاکٹر اسد اریب خطاب کر رہے ہیں۔ ——————— (فوٹو : امروز)

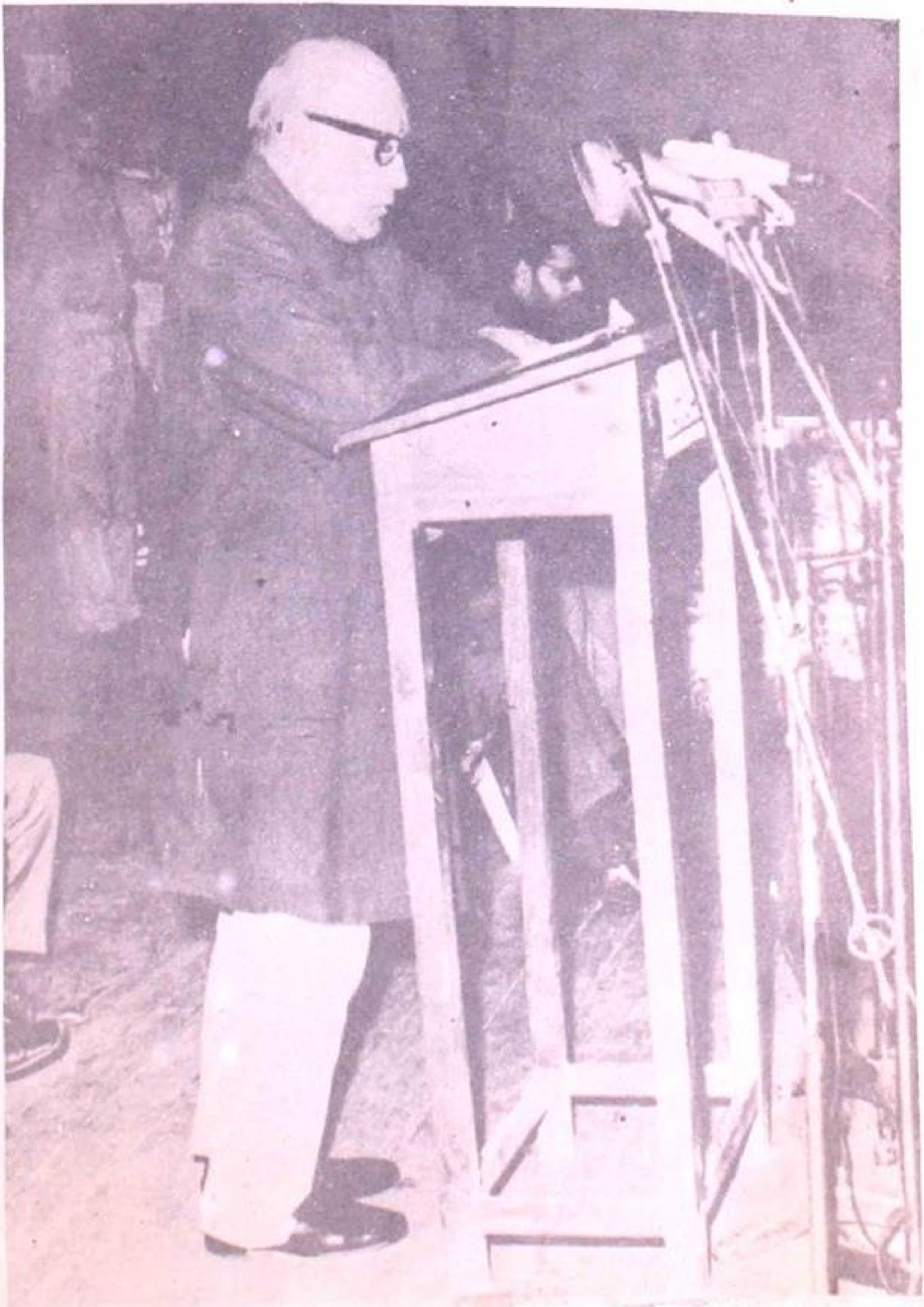

راولپنڈی کے "جشن انیس" میں جوش ملیح آبادی مقالہ اور نظم پیش کر رہے ہیں

کراچی میں 'جشن انیس' کے موقع پر عظیم الشان اجتماع سے ڈاکٹر محمود حسین مرحوم خطاب فرما رہے ہیں

کراچی کے جشنِ انیس میں ضمیر اختر
نقوی، سحر انصاری، ڈاکٹر عالیہ امام
فیض احمد فیض۔

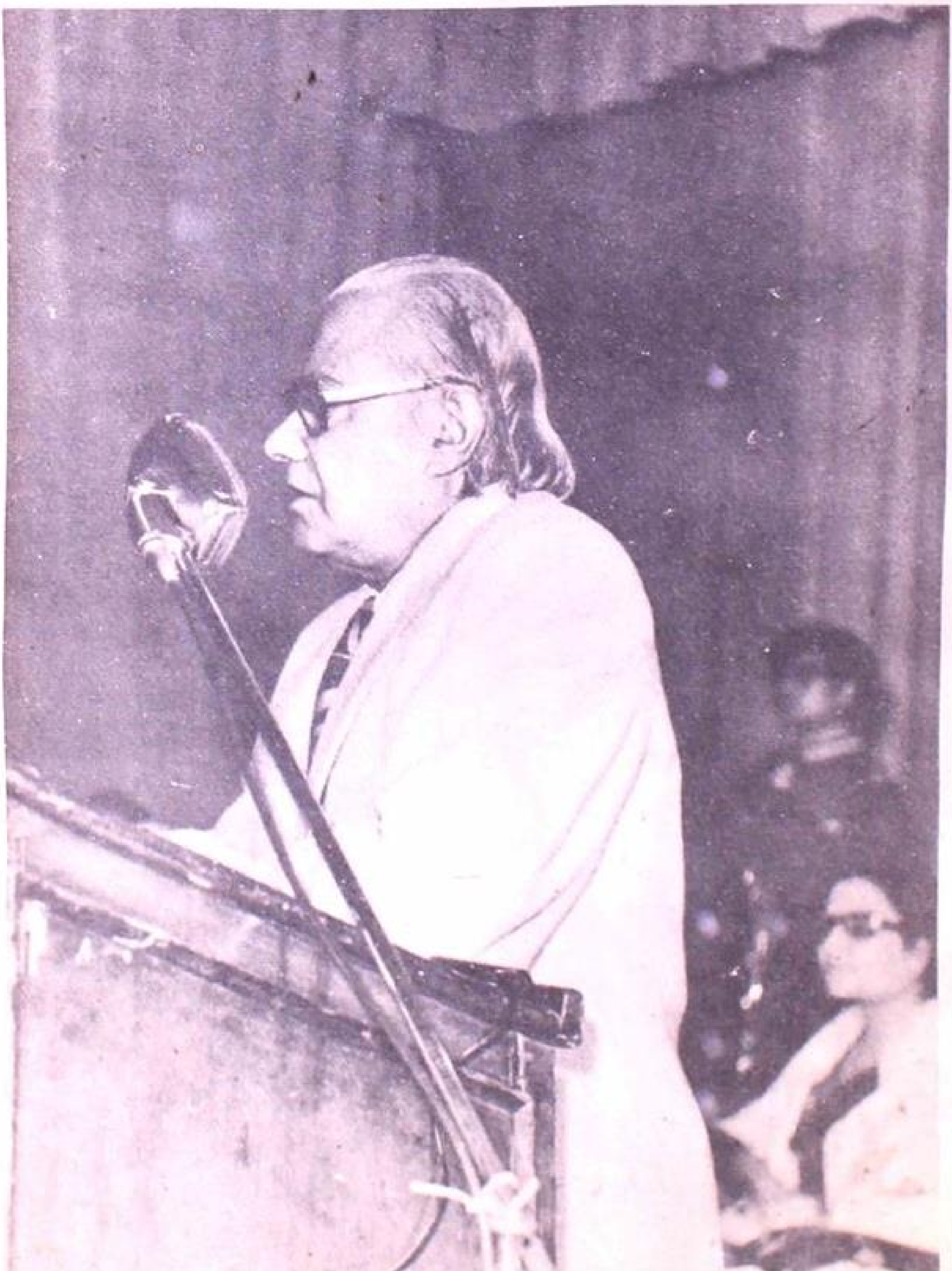

انگریزی کے مشہور شاعر جی۔ الانا میر انیسؔ کے مرثیہ کا انگریزی منظوم ترجمہ پیش کر رہے ہیں

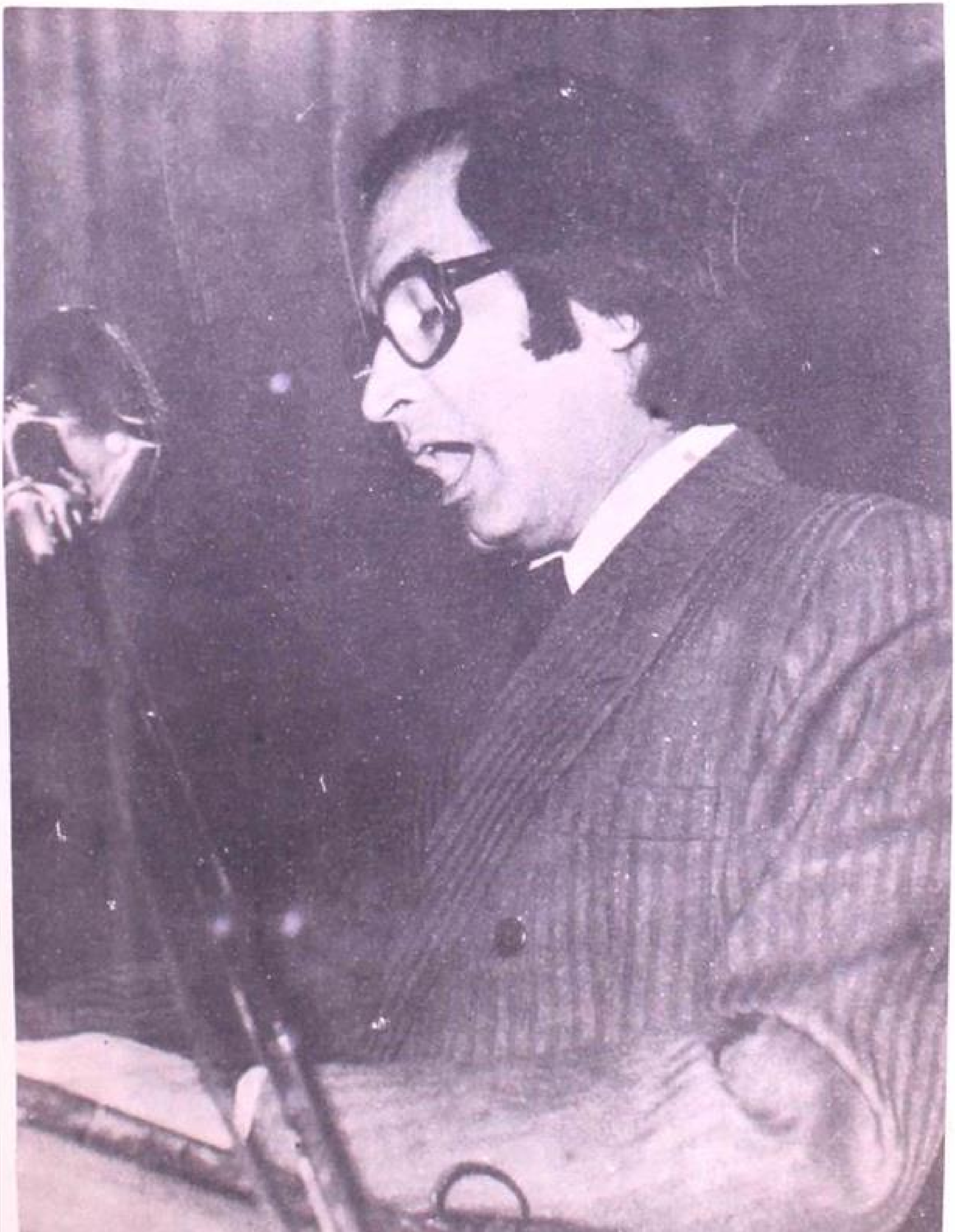

کراچی کے صد سالہ "جشن انیس" کے مہمان خصوصی پیار علی الانہ (وزیر تعلیم سندھ) مقالہ پڑھ رہے ہیں

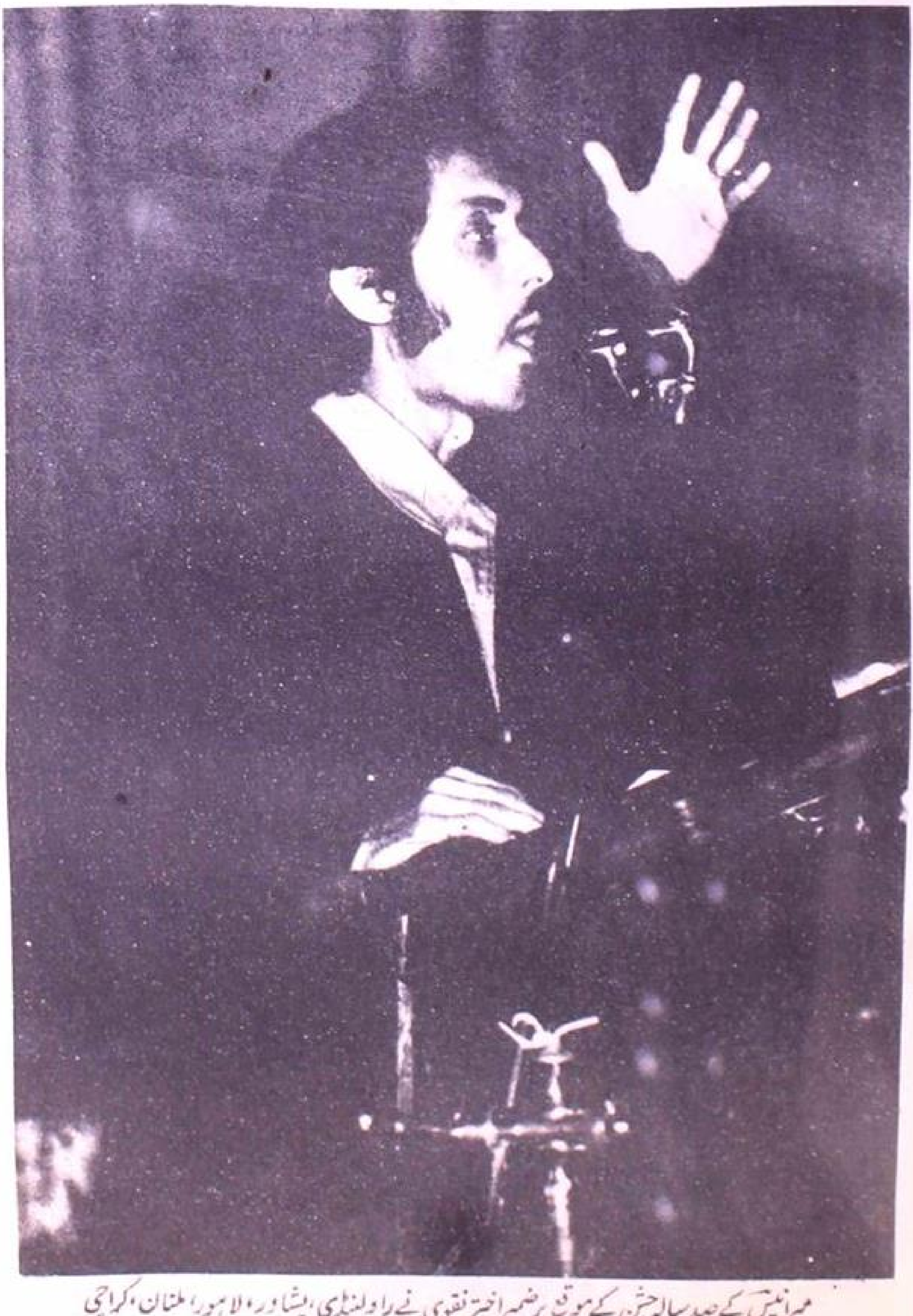

میرانیس کے صدسالہ جشن کے موقع پر ضمیر اختر نقوی نے راولپنڈی، پشاور، لاہور، ملتان، کراچی
کے یادگاری جلسوں میں تقریریں کیں

میر انیس کی ۹۸ سالہ برسی کے موقع پر انجمن یادگار انیس کراچی کے زیر اہتمام "یوم انیس" میں زیڈ اے بخاری مرحوم مرثیہ انیس پیش کر رہے ہیں۔ اسٹیج پر نسیم امروہوی، ہاشم رضا، حامد لکھنوی، اصغر حسین، ضمیر اختر نقوی اور عزت لکھنوی۔

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار ؛ خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

میر ببر علی انیسؔ

کی

صد سالہ برسی کے موقع پر

مولانا کوثر نیازی

(وزیر مذہبی امور)

کا

حیات افروز خطبۂ صدارت

ناشر

دبستانِ انیس

ڈی / ۵۱۳ سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

شاخ نمبر:- 4/H
رضویہ سوسائٹی کراچی

سن طباعت :- ستمبر ۱۹۷۵ء

کتابت :- کوثر علی

پریس :- ھندہ آفسٹ پرنٹرز۔ کراچی

جملہ حقوق محفوظ

میرانیس کی صد سالہ برسی کے موقع پر

یادگاری جلسے

میر ببر علی انیس مرحوم کی وفات کو دس دسمبر ۱۹۷۴ء کو پورے سو سال ہو رہے تھے اور پاکستان کے طول و عرض میں ادیب و دانشور و شاعر صاحبان اپنے اپنے حلقوں میں یادگاری تقاریب کے اہتمام میں مشغول تھے۔ اس سلسلے کا سب سے پہلا جلسہ دبستان انیس راولپنڈی کی جانب سے یکم دسمبر ۱۹۷۴ء کو لیاقت میموریل ہال راولپنڈی میں صبح دس بجے زیر صدارت جناب مولانا کوثر نیازی وفاقی وزیر برائے اُمورِ مذہبی حکومتِ پاکستان منعقد ہوا۔ جلسے کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے جناب مولانا کوثر نیازی نے انجمن جاں نثارانِ اہلبیت کے رضاکاروں کے دستے کا معائنہ کیا اور اس کے بعد میرانیس کی تصویر کی نقاب کشائی کی جو نوجوان مصور جاوید صاحب نے بنائی تھی۔ کارروائی کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ یہ فریضہ حافظ محمد یونس صاحب نے انجام دیا۔ ڈاکٹر

سید سبطِ حسن رضوی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ جس کا متن اس کارروائی کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر کرار حسین، ڈاکٹر علی اکبر جعفری، مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل، ڈاکٹر اسد اریب، جناب ضمیر اختر نقوی جناب سید رضا علی عابدی اور جناب سید صمد حسین رضوی نے فکر انگیز تقریریں کیں اور ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر فرمان فتحپوری اور جناب سید ضیاء الحسن موسوی نے مقالات پڑھے۔ سلمان رضوی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کلام انیس پیش کیا پروفیسر شاکر علی جعفری نے میر انیس کے کلام کا انگریزی منظوم ترجمہ پیش کیا۔ شعراء میں حضرت مہر اکبر آبادی سید فیضی، قیصر بارھوی، وحید ہاشمی اور جوش ملیح آبادی نے منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ بعد میں صدر جلسہ جناب مولانا کوثر نیازی نے اپنے مخصوص انداز میں میر انیس کی شخصیت اور فن پر ایک فاضلانہ تقریر کی جس کا متن اس کارروائی کے ساتھ شایع کیا جا رہا ہے۔

مہمانوں کو دوپہر کے کھانے کی دعوت جناب علی اکبر و جناب محمد حسن مالکان پاک کارپٹ انڈسٹریز کی طرف سے راولپنڈی کلب میں دی گئی ساڑھے چار بجے سہ پہر ایجوکیٹرز کلب راولپنڈی کی جانب سے سی بی گرلز کالج صدر میں ایک استقبالیہ دیا گیا۔ ۵ بجے شام مہمانوں نے آقای محمد حسین تسبیحی کی دعوت پر مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے کتابخانے کو دیکھا جہاں مرکز کی جانب سے کتابوں کے تحفے پیش کیے گئے۔ رات کے کھانے کی دعوت ڈاکٹر علی اکبر جعفری مدیر مرکزِ تحقیقاتِ فارسی

کی جانب سے سلور گرل میں دی گئی۔

دوسرا جلسہ رات آٹھ بجے لیاقت میموریل ہال راولپنڈی میں زیر صدارت جناب احسان دانش منعقد ہوا جس میں ملک کے طول و عرض سے آئے ہوئے مہمان شاعروں اور راولپنڈی میں مقیم مدعو شعراء نے میر انیس کے سلاموں کی مختلف زمینوں میں اپنی نظمیں پیش کیں۔ حضرات قتیل شفائی، محسن احسان، خاطر غزنوی، مرتضےٰ جعفری اختر، آغا سکندر مہدی، ظفر شارب، وحید الحسن ہاشمی، جمیل یوسف، عطا حسین کلیم سید فیضی، سلطان رشک، رشید نثار، نہال اکبر آبادی، رشید انقوی، ضمیر جعفری اور احسان دانش خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

۲؍ دسمبر کو صبح دس بجے گورنمنٹ ڈگری کالج راولپنڈی کی مجلس اقبال نے مہمانوں کو ایک استقبالیہ دیا دوپہر کو کھانے کی دعوت جناب حسن امام جعفری مالک امریکن بک کمپنی کی طرف سے راجہ جی ریستوران صدر میں دی گئی اور رات کے کھانے کا اہتمام جناب ڈاکٹر سید اجمل حسین رضوی نے اپنی کوٹھی پر کیا۔ ۳۰؍ نومبر سے ۱۰؍ دسمبر تک راولپنڈی کی مختلف انجمنوں کی طرف سے میر انیس مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لئے دس مجلسیں بھی برپا ہوئیں ۸؍ دسمبر کو امام باڑہ کرنل مقبول حسین میں جناب رضی حیدر مجتہد پرنسپل جامعہ امامیہ کراچی نے خدمات انیس پر ایک یادگار تقریر فرمائی۔

۷؍ دسمبر کو خواتین کا ایک مخصوص جلسہ دبستان انیس کے شعبۂ خواتین نے جاں نثاران اہلِ بیت کے شعبۂ خواتین کے تعاون سے سی بی گرلز کالج صدر راولپنڈی

میں منعقد ہوا جس کی صدارت بیگم ملک جعفر صاحبہ نے کی اس جلسہ میں آنسہ فرحت رضوی، آنسہ نجمی رضوی، خانم ثریا شہاب اور خانم حسین مجتبیٰ نے تقریریں کیں اور آنسہ ذکیہ شید انقوی اور خانم رابعہ نہاں نے نظمیں پڑھیں۔

پہلی اور دوسری دسمبر کو دبستان انیس کے زیر اہتمام مخصوص تقاریب و اجلاس میں شرکت کرنے کے بعد کاروانِ انیس راولپنڈی سے پشاور روانہ ہوا جہاں بستانِ انیس پشاور کے زیر اہتمام ۳ر دسمبر ۷۴ء کو دو جلسے منعقد کئے گئے۔ پہلا جلسہ شعبۂ اُردو پشاور یونیورسٹی میں صبح ۱۱ بجے زیر صدارت ڈاکٹر عمر حیات ملک منعقد ہوا اور دوسرا جلسہ اباسین آرٹس کونسل میں شام چار بجے زیر صدارت جناب سید اقتدار علی مظہر منعقد ہوا اور ان جلسوں میں مقامی ادیبوں اور شاعروں کے علاوہ راولپنڈی سے حضرات سید فیضی، صادق نسیم، منتظر عباس نقوی، ڈاکٹر سبط حسن ہلیساں اکبرآبادی شید انقوی اور کراچی سے جناب ضمیر اختر نقوی اور پروفیسر شاکر علی جعفری نے شرکت کی۔ دوپہر کے کھانے کا اہتمام پشاور یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے صدر ڈاکٹر مرتضےٰ جعفری کی جانب سے یونیورسٹی میں کیا گیا۔ بعد میں پشاوری قہوے سے انھوں نے اپنے بنگلہ پر تمام مہمانوں کی ضیافت کی۔ شام کی چائے کا انتظام اباسین آرٹس کونسل نے کیا اور رات کا کھانا جناب غلام حسین فرغام ڈائرکٹر خانہ فرہنگ ایران کی جانب سے تھا۔

کاروانِ انیس پشاور سے راولپنڈی ہوتا ہوا ۶ر دسمبر کو لاہور پہنچا جہاں

شام ۵ بجے پنجاب یونیورسٹی میں ایک جلسہ ڈاکٹر عبادت بریلوی پرنسپل اورنٹیل کالج کے زیرِ اہتمام منعقد ہوا جس میں مولانا مرتضےٰ حسین فاضل نے تقریر کی عبادت بریلوی علی عباس جلالپوری، سجاد باقر رضوی نے مقالے پڑھے ...... اور احمد ندیم قاسمی صاحب نے "انیس" پر ایک نظم سنائی جو بہت پسند کی گئی، اس دن رات کو آٹھ بجے ڈاکٹر مسعود رضا خاکی قزلباش کے مکان پر ایک محفل مسالمہ زیرِ صدارت پروفیسر سید وزیرالحسن عابدی منعقد ہوئی جس کا اہتمام حلقہ شعرائے اہلِ بیت پاکستان نے کیا تھا۔ اسی حلقے نے ۷ر دسمبر سے ۱۸ر دسمبر تک مقررہ عناوین کے ماتحت بارہ نوتصنیف مرثیوں کی مجالس بھی لاہور میں منعقد کیں۔ ۷ دسمبر کو پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس میں طلبا کی جانب سے میر انیس کی یاد میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں پروفیسر سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر سید سبط حسن، ڈاکٹر ناظر زیدی اور جناب ضمیر اختر نقوی نے تقریریں کیں اور سید فیضی نے اپنی تازہ نظم سنائی۔ ابرار نقوی صاحب نے مقالہ پڑھا اور پروفیسر شاکر علی جعفری نے میر انیس کے بعض مشہور شعروں کا منظوم ترجمہ انگریزی میں پیش کیا۔ ۱۱ر دسمبر کو پاکستان نیشنل سنٹر لاہور میں یوم انیس کی تقریب ہوئی جس میں حضرات شہرت بخاری، ناصر زیدی اور سیف زلفی نے حصہ لیا۔

ملتان میں ۸ر دسمبر کو پاکستان نیشنل سنٹر میں یوم انیس کی تقریب کا اہتمام جناب غضنفر مہدی کی طرف سے کیا گیا۔ اس میں شرکت کرنے کے لئے کاروان انیس لاہور سے ملتان پہنچا۔ یہ جلسہ جناب ڈاکٹر علی اکبر جعفری کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں اہل بہاولپور

نے بھی شرکت کی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دبستان انیس بھاولپور نے سب سے پہلے صد سالہ یادگاری جلسے بہت بڑے پیمانے پر بھاولپور میں منعقد کئے تھے جس کے رُوحِ رواں آغا سکندر مہدی صاحب اور حبیب بھائی تھے۔ ملتان کے جلسہ میں راجہ صاحب محمود آباد کے داماد جناب حسین امام نے بھی شرکت کی۔ اس جلسے سے حضرات ضمیر اختر نقوی، شاکر علی جعفری، ڈاکٹر سید سبط حسن، آغا سکندر مہدی، ڈاکٹر اسد اریب اور ڈاکٹر علی اکبر جعفری نے خطاب کیا۔ شب کے کھانے کا اہتمام مخدوم زادہ جناب سجاد حسین قریشی نے اپنے دولت کدہ پر کیا۔

کراچی میں یادگاری جلسوں کا آغاز ۱۲ ردسمبر کو تھیوصوفیکل ہال کے جلسے سے ہوا جو چار بجے شام زیرِ اہتمام ادارۂ یادگارِ انیس کراچی منعقد ہوا اس کی صدارت جناب فیض احمد فیض نے کی، مہمانِ خصوصی جناب پیار علی الانا وزیرِ تعلیم حکومت سندھ تھے، خطبۂ استقبالیہ ڈاکٹر عالیہ امام نے پیش کیا اور ڈاکٹر محمود حسین، پروفیسر مجتبیٰ حسین، پروفیسر ممتاز حسین، ڈاکٹر فرمان فتحپوری اور ڈاکٹر سید سبط حسن رضوی نے تقریریں کیں، جناب ناصر جہاں نے سلام انیس پڑھا اور جناب جی الانا اور پروفیسر شاکر علی جعفری نے میرانیس کے کلام کا منظوم ترجمہ انگریزی میں سُنایا آخر میں فیض احمد فیض صاحب نے ایک جامع اور مانع تقریر انیس پر کی۔

دُوسرا جلسہ ۲۲ ردسمبر ۱۹۷۴ء کو صبح دس بجے تھیوصوفیکل ہال کراچی میں زیرِ صدارت جناب سید محمد جعفری منعقد ہوا۔ جس میں حضرات نادم سیتاپوری، شان الحق حقی، ضیاء الحسن

موسوی نے تقریریں کیں اور حضرات عزّت لکھنوی اور سحر انصاری نے منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا اس جلسہ میں جناب باقر عابدی کی تصاویر کی نمائش کی گئی اور ضمیر اختر نقوی صاحب نے نادر کتابوں کی نمائش کا اہتمام کیا۔ اسی دن شام کو ۵ بجے حسینیہ سجادیہ شمالی ناظم آباد میں ایک یادگاری جلسہ منعقد ہوا جس میں قبل مغرب کی نشست کی صدارت جناب سید آلِ رضا لکھنوی نے کی اور بعد مغرب کی نشست کی صدارت ڈاکٹر سید سبطِ حسن رضوی نے کی۔ ان نشستوں میں جناب زیڈ اے بخاری نے اپنے مخصوص انداز میں میر انیس کا مشہور مرثیہ "یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر" تحت اللفظ پڑھا اور جناب مولانا عقیل ترابی نے میر انیس پر ایک فکر انگیز تقریر فرمائی۔

اس سلسلہ کا ایک جلسہ ۴ جنوری ۷۵ء کو صبح دس بجے کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ نباتیات میں زیر صدارت جناب مجنوں گورکھپوری منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر احسن فاروقی پروفیسر مجتبیٰ حسین، پروفیسر شاکر علی جعفری، جناب ضمیر اختر نقوی، ڈاکٹر سید سبط حسن اور رضیا والحسن موسوی نے تقریریں کیں اور آخر میں جناب مجنوں گورکھپوری نے انیس کے فکر و فن پر ایک مبسوط تقریر کی۔ یوم انیس کا جلسہ پاکستان نیشنل سنٹر کراچی میں ۹ دسمبر ۱۹۷۴ء کو منعقد ہوا جناب مرتضےٰ حسین نے مقالہ پیش کیا اور ضمیر اختر نقوی نے میر انیس کے فکر و فن پر تقریر کی۔

کراچی میں میر انیس مرحوم کی صد سالہ برسی کے سلسلے میں یادگاری جلسوں کی آخری نشست امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی زیر صدارت جناب کمال اظہر صاحب ممبر صوبائی

اسمبلی ۵ رجنوری ۷۵ء کو صبح ۹ بجے منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر احسن فاروقی، ڈاکٹر سبط حسن رضوی، جناب منور عباس، جناب یوسف حسین، جناب ضیاء الحسن موسوی نے تقریریں کیں۔ جناب عزت لکھنوی، جناب نفیس فتحپوری، جناب علی حسنین شیدا، اعجاز رحمانی نے نظمیں پیش کیں۔ جناب سبطِ حسن انجم نے میر انیس کا مرثیہ "یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر" تحت اللفظ پیش کیا۔

بزمِ اُدب بھکر کے زیر اہتمام میر انیس کی صد سالہ برسی کے موقع پر محفل ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ بھکر میں منعقد ہوا جس کی صدارت احسن جالندھری نے کی۔ خواجہ قریشی علی، نفضل حیدری، ڈاکٹر سردار خالد نے میر انیس پر مقالات پڑھے اور منشا پانی پتی، اقبال حسین، کلیم بخاری، عنصر واسطی، انجم عابدی، دریہ خان، قلزم مشہدی، اثر ترمذی، خلش پیر اصحابی نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ یہ محفل رات گئے تک جاری رہی۔

سکریٹری

دبستانِ انیس

۵۱۳/ڈی

سٹلائٹ ٹاؤن

راولپنڈی

خطبۂ استقبالیہ در جلسۂ افتتاحیہ

پہلی دسمبر ۱۹۷۴ء۔ لیاقت میموریل ہال راولپنڈی

ڈاکٹر سید سبطِ حسن رضوی

محترم جناب مولانا کوثر نیازی صاحب صدر جلسہ، مہمانانِ گرامی، حضرات و خواتین

دبستانِ انیس راولپنڈی کی جانب سے میرا یہ خوشگوار فریضہ ہے کہ میں آپ سب حضرات کا خیر مقدم کرتے ہوئے شکریہ ادا کروں کہ آپ ہماری گزارش پر یہاں تشریف لائے اور میر انیس مرحوم کی صد سالہ برسی کے سلسلہ میں منعقد ہونے والے یادگاری جلسوں کو کامیاب بنانے میں ہم سے تعاون کیا، خاص طور پر ہم ممنون ہیں دولت اسلامیۂ پاکستان کے وفاقی وزیر امورِ مذہبی جناب مولانا کوثر نیازی صاحب کے جنہوں نے باوجود اپنی اہم مصروفیات کے اس جلسہ کی صدارت قبول فرمائی یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ زبان و ادبیات، صحافت و سیاسیات، خطبات و مذہبیات میں بصیرت رکھنے کے علاوہ آپ انیس شناس بھی ہیں اور ممدوحِ انیس کے مداحوں میں بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔

کوثر مجھے اس جرم سے اِنکار نہیں ہے

شیدا ہوں دل و جاں سے میں اولادِ علی کا

راولپنڈی میں دبستانِ انیس قائم ہوئے آج سولہ سال پورے ہو رہے ہیں اور جب یہ ادبی انجمن ۱۹۵۸ء میں قائم کی گئی تھی تو خیال بھی نہ تھا کہ یہ انجمن ۱۹۷۴ء میں میر انیس کے صد سالہ یادگاری جلسے منعقد کر سکے گی کیونکہ ادبی انجمنیں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتیں، مگر خدا کا شکر ہے کہ دبستانِ انیس سولہ برس کے نشیب و فراز سے گزرتی ہوئی آج اس منزل پر پہنچی ہے کہ اس کے زیرِ اہتمام پاکستان بھر میں میر انیس کی وفات کو سو سال پورے ہونے پر یادگاری جلسے منعقد ہو رہے ہیں اور ان جلسوں کے لئے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں اربابِ فکر و نظر نے بہترین پروگرام مرتب کئے ہیں۔ یہ شرف صرف راولپنڈی اور اسلام آباد کی سرزمین کو حاصل ہوا ہے کہ اس شہر میں میر انیس کی صد سالہ برسی کی تقاریب کے سلسلہ کا یہ افتتاحی اجلاس منعقد ہو رہا ہے

اس سے پہلے بھی دبستان کے زیرِ اہتمام ادبی مذاکرے، مباحثے، مشاعرے، مسالمے، مجالس یوم غالب و یوم اقبال کے جلسے منعقد ہوتے رہے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں ریلوے انسٹی ٹیوٹ راولپنڈی میں ایک کُل پاکستان مذاکرہ "مسلم ثقافت کے تحفظ میں اُردو شاعروں کا حصہ" کے زیرِ عنوان منعقد ہوا جس میں ڈھاکہ سے لے کر کراچی تک کے دانشوروں نے حصہ لیا۔

ہم نے دراصل ۱۹۷۱ء میں یہ یادگاری جلسے منعقد کرنے کا اہتمام کیا تھا لیکن سیاسی فضا مکدر ہونے کی وجہ سے ہم یہ جلسے منعقد نہ کر سکے۔ اب جبکہ دس دسمبر ۱۹۷۴ء کو شمسی اعتبار سے میر انیس کی وفات کو سو سال پورے ہو رہے ہیں تو ہماری تحریک پر پاکستان کے طول وعرض میں یہ یادگاری جلسے منعقد کئے جا رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ سیاسی ناہمواریاں دُور ہوتی جا رہی ہیں اور ملک میں ادبی، علمی، ثقافتی اور تعمیری کاموں کے لئے فضائیں سازگار ہو رہی ہیں۔ ہم نے اس موقعہ پر میر انیس کے کلام کی افادیت کو واضح کرنے کے لئے دو نعروں کو اپنایا ہے: "انیس برائے دفاع" اور "انیس برائے اخلاق"۔

راولپنڈی اسلام آباد کا یہ علاقہ جہاں سے یادگاری جلسوں کا آغاز ہو رہا ہے، دفاعی علاقہ کہلاتا ہے یعنی فوجی علاقہ اور یہ شہر ہماری پاک افواج کا مرکز ہے اور فوجی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سرزمین کی ہواؤں میں جنگجویانہ جذبات کی خُوبُو رچی ہوئی ہے صدرِ محترم!! میر انیس نے بھی اپنے کلام میں ایک فوجی چھاؤنی کا نقشہ پیش کیا ہے جس میں لڑائی کی تیاری، طبلِ جنگ کی آواز، رجز خوانی، مبارزطلبی، ہتھیاروں کی جھنکار، پیادہ اور سواروں کی یکجا، میسرہ، میمنہ، قلب، موعونہ، جنگ تن بہ تن، جنگ مغلوبہ، سب اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ پُورا نقشہ میدانِ جنگ کا آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

جاتی ہے کس شکوہ سے رَن میں خدا کی فوج کریں وغا پہ باندھے ہے مشکلکشا کی فوج

صف بستہ آگے پیچھے ہے سب پیشوا کی فوج　　جنت کا رُخ کئے ہے شہ کربلا کی فوج
ڈیوڑھی پہ جن وانس و ملک کا ہجوم ہے
خیمے سے اب علم کے نکلنے کی دھوم ہے

چلتی تھی ذوالفقار جو سَن سَن اِدھر اُدھر　　دہشت سے چھپتے پھرتے تھے دشمن ادھر اُدھر
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و تن اِدھر اُدھر　　ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ جوشن اِدھر اُدھر
ڈر کر بھی جو سوار گرے وہ مرے گرے
صف پر گری جو صف تو پرے پر پرے گرے

آج پاکستانی افواج کے دلیر نوجوانوں کو کلامِ انیس کی ضرورت ہے جس کے مطالعے سے دلوں میں حرارت، بازوؤں میں طاقت اور ارادوں میں ہمت پیدا ہوتی ہے اور حفظِ دین وملت کے جذبات دلوں میں کروٹیں لینے لگتے ہیں۔

آج اس علاقے کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے اب یہ فوجی علاقہ ہی نہیں رہا بلکہ پاکستان کا پایۂ تخت قرار پانے کے بعد علم و ادب کا گہوارہ بھی بن چکا ہے اور بہت سے تحقیقی اور تربیتی ادارے درسگاہیں اور یونیورسٹیاں یہاں قائم ہوچکی ہیں جن میں وہ نئی نسل پرورش و تربیت پا رہی ہے جس کو مستقبل میں پاکستان کی خدمت وحفاظت کے لئے اپنی ذمّہ داریاں پوری کرنا ہیں اِس لئے بزمِ انیس راولپنڈی نے ان یادگاری جلسوں کے لئے دوسرا نعرہ جو مقرر کیا ہے وہ ہے" انیس

برائے اخلاق" یہ زمانہ جوہری توانائی کا ہے۔ میر انیس نے تلوار کے جوہر کی جو قدرت بیان کی ہے اس سے اخلاق کی درستی کے بھی سامان پورے ہوتے ہیں۔ میر انیس فرماتے ہیں ؎

دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طرح کا دم تھا نیزے پہ جسے ناز تھا سر اس کا قلم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا یہ فتح کی جویا تھی تو اس واسطے خم تھا

بد اصل تکبر سے سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحب جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

دبستان انیس نے جو میر انیس کی یاد کو اس شد و مد کے ساتھ منانے کا اہتمام کیا اس کے پس منظر میں یہی جذبہ کار فرما ہے کہ ہم پاکستان کا مضبوط دفاع چاہتے ہیں اور ہم پاکستانی نوجوانوں کا مضبوط اخلاق چاہتے ہیں اور آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ دفاع کشور پاکستان اور اخلاق نوجوانان پاکستان دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ہمارے نوجوانوں کا اخلاق کمزور ہوتا ہے تو ملک و ملت پاکستان کا وجود کمزور ہوتا ہے۔ یہ ہے ادب برائے زندگی، ادب برائے اتحاد اور ادب برائے فتح۔

آج ہمارے نوجوانوں کو کلام انیس کی ضرورت ہے تاکہ ان کی ابتدائی تربیت کے دوران ان کے اخلاق کو پاکیزہ جذبات سے آراستہ کر دیا جائے اور یہی اخلاقی قدریں نظریۂ پاکستان کی جان ہیں اس طرح پاک سرزمین کے

بہادر اور غیور باشندے منظم، متحد، باوقار اور باوفا شہری بن سکیں گے۔
اخلاقی قدریں تو تمام دُنیا میں رُو بہ زوال ہیں اور اس کا اثر ہم یہاں بھی محسوس کر رہے ہیں۔ ایسے نازک موقعہ پر یہ بڑا مناسب اقدام ہو گا کہ ہم کلامِ انیس کو عام کر دیں اور ان اخلاقی قدروں کو تباہ ہونے سے بچالیں جو ہم کو مقدس امانت کی شکل میں ہمارے نجیب و شریف آبا و اجداد سے ورثہ میں ملی ہیں اور یہی ہماری ترقی کی ضامن ہیں۔ امانت و دیانت، محبت و شفقت، سخاوت و شجاعت علم و حلم، توکل و تحمل، صبر و شکر، نظم و ضبط، اندازِ رزم، آدابِ بزم، آئین صدق و صفا، دستورِ مہر و وفا، نوامیس فطرت، پاداشِ قدرت مختصر یہ کہ وہ کون سا اخلاقی پہلو ہے جس کی طرف میر انیس نے توجہ نہیں دلائی اور جو واقعہ ان قدروں کے اظہار کے لئے اُنھوں نے منتخب کیا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ کارنامہ ہے اور معجزہ ہے اسلام اور بانیٔ اسلام کا۔

حُر ابن یزید ریاحی فوج یزیدی کا سپہ سالار تھا لیکن دیکھئے کہ تربیت اخلاق نے حُر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

دوزخ سے جو آزاد کیا حُر کو خدا نے — کھلوا دیے فردوس کے در عقدہ کشا نے
زانو پہ رکھا سر کو امامِ دوسرا نے — اعلیٰ کیا ادنیٰ کو بزرگوں کی دُعا نے
سب جس کے طلبگار تھے جنت میں وہ دُر تھا
حورانِ جناں گرد تھیں اور بیچ میں حُر تھا

اللہ کی درگاہ کا مقبول ہے یہ بھی
مقبول نہ کیوں کر ہو کہ مقتول ہے یہ بھی
مجرم پہ کرم شاہ کا معمول ہے یہ بھی
گلدستۂ اسلام کا اک پھول ہے یہ بھی

نیکوں سے بدی وہ نہیں کرتا جو بھلا ہے
مُرجھا کے یہ پھُولا ہے خزاں ہو کے پھلا ہے

مہمانانِ گرامی !! آج کی اس تقریب میں یہ کہتے ہوئے میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ دبستانِ انیس نے اس موقعہ پر ۴۶ ۴ صفحات پر مشتمل ایک یادگاری مجلّہ بھی شائع کیا ہے جو مشہُور اہلِ قلم حضرات کے مضامین نثر و نظم پر مشتمل ہے اور اس کا مطالعہ انیس دوستوں کو میر انیسؔ اور اُن کے کلام کی افادیت سے واقف کرانے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ اس موقعہ پر ہم نے جناب سید علی امام بلگرامی کی مدد سے ایک ڈائری اور جناب سید علی احمد طبا طبائی کی مدد سے ایک کیلنڈر بھی شایع کیا ہے جو مجلّہ لینے والے حضرات کو مفت پیش کیا جائے گا۔

سالِ آئندہ دبستان برصغیر کے دوسرے ممتاز مرثیہ نگار مرزا سلامت علی دبیرؔ مرحوم کی صد سالہ برسی بھی اسی اہتمام سے منعقد کرے گا اور اس موقعہ پر بھی آپ سے تعاون کی درخواست ہے۔

صدرِ جلسہ ! جناب مولانا کوثر نیازی ! ہم جناب کی وساطت سے حکومتِ وقت سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ کلامِ انیسؔ کے انتخاب کو ہر تربیتی، تعلیمی، تدریسی، فوجی اور عوامی نصاب میں شامل کر کے ہمارے نوجوانوں میں غیرت ملّی

اور حمیت اسلامی کے جذبات اُبھارنے میں ممد و معاون ثابت ہوا اور آپ سے یہ التماس کرتے ہیں کہ آپ اس مرکزی شہر میں ایک "کتاب خانہ انیس" یعنے انیس لائبریری قائم کرنے میں دبستان کی مدد فرمائیں تاکہ ان یادگاری جلسوں کی افادیت کی علامت ہمیشہ برقرار رہے۔ ہمارے دوستوں نے پاکستان کے طول و عرض سے نایاب و نادر مخطوطات، اور میر انیسؔ کا قلمی کلام ہم کو مرحمت فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ پورے کا پورا کلام انیس جو دو لاکھ شعار پر مبنی ہے تدوین کیا جائے اور انیسؔ شناسوں کی تصحیح ماہرانہ کے بعد مکمل طور پر چھپایا جائے یہ ملک و ملت اور ادب و ثقافت کی ایک عظیم خدمت ہوگی جس سے ہماری آنے والی نسلیں بھی مستفیض ہو سکیں گی۔

آخر میں ہم اپنے تمام مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے اراکین دبستانِ انیسؔ کی جانب سے تمام حضرات و خواتین کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو دور و نزدیک سے ہمارے جلسوں کو کامیاب بنانے کے لئے آئے ساتھ ہی ساتھ ہم ان تمام اداروں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ان جلسوں کے انعقاد میں ہماری مدد کی اور ان میں پریس، ریڈیو اور ٹیلی وژن، ایجوکیٹرز کلب، رائٹرز گلڈ، انجمن حیدریہ اور انجمن جاں نثارانِ اہلِ بیت قابلِ ذکر ہیں کہ انھوں نے ہمارے جلسوں کے احترام میں آج یکم دسمبر ۷۴ء کو "انیس نمبر" شائع کر کے ان یادگاری جلسوں کی اہمیت کو واضح کیا۔

اور اب آخر کلام میں ہم جناب مولانا!! آپ کی ان مہربانیوں کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اس انجمن کا سرپرست بننا منظور کیا اور ہمارے مجلّہ کے لئے اپنا مخصوص پیام مرحمت فرمایا اور اب اپنی اہم مصروفیات کے باوجود آپ اس وقت ہمارے جلسہ میں موجود ہیں۔

ستارۂ بدرخشید و ماہِ مجلس شُد
دِل رمیدۂ ما را انیس و مونس شد

انیسؔ

نجمؔ آفندی

انیس غم کدۂ کربلا کے دردِ شعار
ترا کلام ہے یا مرثیت کے لیل و نہار
یہ راز تو نے بتایا ہے اہلِ عالم کو
نہ ہو یہ درد جو دل میں تو زندگی بیکار
شعورِ فکر نے غیروں پہ بھی کیا یہ اثر
کہ گوشے گوشے میں انسان ہو گئے بیدار
سنی سنائی نہیں بات آنکھوں دیکھی ہے
کہ ہندوؤں کو بھی دیکھا گیا ہے سینہ فگار
خصوصیات بہت کچھ ترے کلام کی ہیں
ترے کلام سے پیدا ہوئے وہ نقش و نگار
ترے کلام سے اردو زباں کا وزن بڑھا
محاورات کا یک جا لگا دیا انبار

لگا رہا ہوں مضامینِ نَو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو،

میر ببر علی انیسؔ

کی

صدسالہ برسی کے موقع پر

مولنا کوثر نیازی

(وزیر مذہبی امور)

کا

حیات افروز خطبۂ صدارت

انیس شاعرِ انسانیت

کوثر نیازی

دبستانِ انیس راولپنڈی کی طرف سے یکم دسمبر ۱۹۷۴ء کو میر ببر علی انیس کی صد سالہ برسی کے سلسلہ میں مولانا کوثر نیازی وفاقی وزیر مذہبی امور کی زیرِ صدارت لیاقت میموریل ہال میں ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا۔ آخر میں مولانا کوثر نیازی نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :۔

دانشورانِ گرامی اور حاضرینِ مجلس !

میں انیس نہیں کہ اُن کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ کہہ سکوں ؎

لگا رہا ہوں مضامینِ نَو کے پھر انبار
خبر کرو مِرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

انیس پر بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ میں کوئی نئی بات نہ کہہ سکوں گا مگر کچھ باتوں کو اپنے انداز میں کہنے کی ضرور کوشش کروں گا۔

کہا یہ جاتا ہے کہ بدقسمتی سے انیس کو اردو کا شاعر سمجھنے کے بجائے

مذہب کا شاعر سمجھ لیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں، کاش ایسا ہوتا! یہ بدقسمتی نہیں! بدقسمتی تو یہ ہے اور میں حرفِ برہنہ کہہ رہا ہوں کہ بعض کم نظر، کم بین اور کم سواد لوگوں نے اُسے مذہب کا شاعر سمجھنے کی بجائے مذہب کے ایک مکتبِ فکر کا شاعر سمجھ لیا ہے۔ دگرنہ یہ بات نہ ہوتی کہ آج انیس شناسی تو رہی ایک طرف انیس کا نام جاننے والے بھی انگلیوں پہ گنے جا سکتے ہیں۔ اور کچھ لوگ تو ایسے بھی ہیں جو حیرت زدہ ہو کر پوچھتے ہیں کہ آج یہ انیس کے سلسلے میں جو صد سالہ برسی منائی جا رہی ہے، یہ انیس کون ہے؟ اور جو لوگ انیس کو جاننے والے ہیں، انہوں نے بھی معذرت کا انداز اختیار کرتے ہوئے یہ کہا کہ انیس نے واقعاتِ کربلا میں لکھنؤ کے معاشرے کی رنگ آمیزی کی ہے اور بس ~ لیکن میں اس سے مختلف زاویۂ نظر رکھتا ہوں۔ مَیں نے انیس کو پڑھا ہے اور مجھے یہ پورا اِحساس ہے کہ مَیں نے جو ٹوٹی پھوٹی اُردو زبان سیکھی ہے وہ انیس سے سیکھی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں تیسری چوتھی جماعت کا طالب علم تھا تو انیس پڑھا کرتا تھا اور مجھے یوں محسوس ہوتا تھا (آج بھی جب میں کبھی اپنے ذاتی غم کے لئے کوئی پناہ گاہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں تو کلامِ انیس پڑھتا ہوں) جیسے میدانِ کربلا میں ۷۲ نہیں ۷۳ نفوس تھے اور شاید انیس جسم کے لحاظ سے نہ سہی، رُوح کے

لحاظ سے اس معرکے میں ضرور شریک تھا۔

انیس مزاج شناسِ اہلِ بیت ہے اور اس نسبت سے مزاج دانِ خیر ہے کہ خیر کا تصوّر اہلِ بیت سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور اہل بیت کو خیر سے جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ تُعرفُ الاَشیاءُ بِاَضدادِھا۔ چیزیں اپنی اضداد کے واسطے سے ہی سمجھ میں آتی ہیں۔ خیر کو سمجھنے کے لئے شر کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اور اس اعتبار سے جہاں انیس مزاج دانِ خیر تھے وہاں شر کو بھی خوب پہچانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے معرکۂ کربلا کو روح کی آنکھ سے دیکھا تو اس طرح دیکھا کہ جیسے وُہ فی الواقعہ ہُوا تھا ___ اور جب ہم انیس کے وہ بول پڑھتے ہیں جو اشقیار کی زبان سے کہلوائے گئے، اُن کلمات کا اندازہ کرتے ہیں جو اہلِ بیت سے صادر ہوتے، وہ صبر دیکھتے ہیں جو حسین اور حسین کے گھر والوں نے کیا، وہ جبر دیکھتے ہیں جو یزیدیوں نے روا رکھا تو ہمیں محسوس ہی نہیں ہوتا بلکہ یقین آجاتا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا اور اس کے علاوہ تصویر کا کوئی دوسرا رُخ ممکن ہی نہیں تھا۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو انیس کا کلام الہامی نظر آتا ہے۔ ایسے واقعات اور باتیں ان پر القار ہوئیں، ایسی فضا اور ماحول کا ان پر الہام ہوا جو آج سے صدیوں پہلے بیت چکا تھا مگر انیس نے عرب سے دُور ایک غیر عرب معاشرے میں بیٹھ کر اس کا تماشا کیا اور اسے دیکھا۔

اسی ضمن میں اردو زبان کے متعلق بھی گفتگو ہوتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ ادبِ اردو میں انیس کا مقام متعین کیا جائے۔ مَیں یہ تو نہیں کہتا کہ میر انیس کے دادا میر حسن کی مثنوی بدرِ منیر آیا سحر البیان تھی کہ نہیں لیکن میں اتنا تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سحر البیان میر حسن کے خاندان کا شرف تھا اور اگر مثنوی کے ذریعہ یہ بات ثابت نہیں ہوئی تو انیس کی ولادت کی صورت میں یہ بات ضرور پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ جب میں انیس کے بیان کو دیکھتا ہوں ان کی زبان کو دیکھتا ہوں تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ زبان کا کوئی جادوگر یا ساحر ہے جو لفظوں کو زندگی عطا کر رہا ہے۔ لفظوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور پورا منظر کھنچ کر نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ لفظ بول اُٹھتے ہیں اور انیس کے قلم سے نکل کر لفظوں کے اندر کلام کرنے کی قوت آجاتی ہے۔ ایک نقّاد زبان نے ٹھیک لکھّا ہے کہ معمولی سے تین لفظ ہیں —— کیا، کہاں اور کچھ —— ان تین لفظوں کو انیس نے جس طرح نظم کیا ہے، اس سے زبان کی نزاکتوں اور لطافتوں کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ شیفتہ نے جب میر انیس کا وہ مصرعہ سُنا جس میں 'کیا' نظم ہوا ہے تو انیس سے کہا تھا کہ اب مرثیہ ختم ہو گیا۔ اس 'کیا' کے بعد اب اور کوئی کیا کہے گا! وہ مصرع کیا تھا؟ چشمِ تصوّر سے غور کیجئے، امام حسین علیہ السلام میدانِ کربلا میں شہید ہونے کے لئے جب یزیدی لشکر کے سامنے تشریف لاتے ہیں تو اس وقت تنہائی کا جو عالم تھا، انیس نے اُسے

یوں بیان کیا ہے ع

آج شبّیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے

اس مصرعہ کی شرح و بسط میں کتابیں لکھّی جاسکتی ہیں لیکن انیس کا مدعا پھر بھی تشنۂ تفسیر ہی نظر آئے گا۔ لفظِ ' کہاں ' کی اعجاز بیانی دیکھنا مقصود ہے تو انیس کا یہ شعر دیکھئے۔

انیسؔ دم کا بھروسہ نہیں ، ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہَوا کے چلے

اس شعر میں ' کہاں ' کی معنویت اتنی بلیغ ہے کہ دوسرے شعراء کے دواوین اس پر قرُبان کئے جاسکتے ہیں۔ لفظ ' کچھ ' کا استعمال بھی دیکھیے۔ حسین علیہ السّلام کے ایک ساتھی جنابِ حُر کا دمِ آخر ہے ۔ موت کو نیند بنا دینے والے حسینؑ کو وہ آواز دیتے ہیں تو کہتے ہیں ۔ ع

کچھُ اُڑھا دیجیے مولا ، مجھے نیند آتی ہے

میں زبان کی لطافتوں کا رمز آشنا نہیں اور نہ میں اہل زبان میں سے ہوں ۔ اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ زبان کے لحاظ سے " کیا " کہاں " اور کچھ " کو میرانیس نے جس طرح نظم کیا ہے ، اُردو زبان اس کا جواب پیش نہیں کر سکتی ۔

لوگ کہتے ہیں کہ انیس مرثیہ گو شاعر ہے لیکن کسی نے یہ جاننے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ انیس نے مرثیہ نگاری میں کیا کیا علوم سمو دیئے ہیں ۔ جب وہ جنگ

کی بات کرتے ہیں تو جنگ کی جملہ اقسام، متعلقہ الفاظ، ان کے لئے تراکیب، ہتھیاروں کے نام، آلاتِ حرب کی نوعیت ــــــ ان سب کو دیکھا جائے تو فنِ سپہ گری کی ایک لغت تیار ہو سکتی ہے۔ تنہا جنگ، دوبدو جنگ، یلغار، گھمسان کی لڑائی، معرکہ آرائی، مبارزت طلبی ــــــ کیا کیا بات ہے جو انیس نے پیدا نہیں کی اور وہ کونسا پہلو ہے جسے نہیں نباہا۔ جس پہلو کو بھی پیش کیا ہے، اس طرح پیش کیا ہے جس طرح فنونِ جنگ کا کوئی ماہر اسے پیش کر سکتا ہے۔ کیا یہ بات فنون جنگ پر کامل نظر رکھے بغیر پیدا ہو سکتی ہے؟ اسی طرح 'شیر' کا لفظ ہے۔ انیس نے شیر کو کیا کیا نام دیئے ہیں۔ اور اس کے لئے کیا کیا لفظ استعمال کئے ہیں۔ یہی نہیں شیر کے بولنے کے لئے۔ اس کے بپھرنے کے لئے، اس کے گرجنے کے لئے، اس کے جوش میں آنے کے لئے، اس کے ہونکنے کے لئے، اس کے جھپٹنے کے لئے، اس کے ترائی میں بیٹھنے کے لئے، اس کے ڈکارنے کے لئے اور اس کے دیگر مختلف پہلوؤں کو بیان کرنے کے لئے انیس نے کیا کیا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کوئی شخص جو علم الحیوانات کا ماہر نہ ہو وہ یہ بات پیدا نہیں کر سکتا۔ انیس مرثیہ گو تھے لیکن انسانی نفسیات کا جو علم انیس کے پاس ہے، شاید ہی کسی اور کے پاس ہو۔ کم سے کم اردو شاعری میں تو اس کی نظیر اور اس کی مثال میرے پاس نہیں ہے کہ انسانی نفسیات میں اتنا بڑا ماہر

کوئی شاعر پیش کیا جاسکے۔

یہ تو رہا زبان و بیان کا معاملہ۔ جہاں تک بعض دوسرے پہلوؤں کا تعلق ہے مثلاً فردوسی سے انیس کا موازنہ تو میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ اگر انیس یونان میں ہوتا تو ہومر سے بڑا شاعر ہوتا۔ اگر انگلستان میں ہوتا تو شیکسپیئر سے زیادہ اس کی پرستش ہوتی۔ اگر ایران میں ہوتا (کسی ایرانی دوست کی دل شکنی مراد نہیں) تو لوگ فردوسی کو بھول جاتے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ "کیا کہا"؟ اور "کس طرح کہا"؟ فردوسی کو جو مقام "کس طرح کہا" میں حاصل ہے، اُس سے مجھے انکار نہیں لیکن "کیا کہا" میں فردوسی انیس کا پاسنگ بھی نہیں۔ کردار شیکسپیئر کے ہاں بھی ہیں۔ کردار فردوسی کے ہاں بھی ہیں لیکن وہ سب کردار خود ان کی اپنی تخلیق ہیں۔ ان کرداروں کے خالق وہ خود ہیں لیکن انیس اپنے کرداروں کے لئے تخلیق کئے گئے ہیں۔

آج زمانہ انسانیت سے مایوس ہے۔ انسان کی انسانیت ختم ہو رہی ہے، اعتبارِ بشریت اٹھتا جا رہا ہے۔ آپ عظمتِ آدم کے گن گاتے رہیئے۔ عملی طور پر دیکھئے تو انسان کی بشری صفات زوال آشنا نظر آئیں گی۔ اس لئے کہ انسانیت کے وہ اعلیٰ کردار جو انیس کے کردار ہیں بہ تمام و کمال آدمیت کے سامنے نہیں لائے گئے۔ میں اور

کرداروں کی بات نہیں کرتا۔ کلامِ انیس سے صرف تین کردار منتخب کرتا ہوں جو وفا کے اور ایثار کے کردار ہیں۔ ان میں ایک کردار جناب حُر کا ہے، دوسرا جناب عباس کا اور تیسرا جناب زینب کا ہے۔ یہ تینوں کردار وفا کے سمبل ہیں۔ ایثار کی علامت ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جناب حُر کی وفا ایک دوست کی وفا ہے۔ جناب عباس کی وفا بھائی کی وفا ہے اور سیّدہ زینب کی وفا ایک بہن کی وفا ہے۔ ایثار و وفا کے ان تینوں کرداروں کو انیس نے جس طرح پیش کیا ہے ——— کاش کہ ہم میں ہمّت ہوتی، کاش کہ ہم تعصبات سے اتنے بلند ہوتے کہ وفا کے ان مظاہر کو، ایثار کے ان کرداروں کو، محبّت کی ان علامتوں کو دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کر سکتے!! میں آپ کو ان تین کرداروں کی ایک ہلکی سی جھلک دکھانا چاہتا ہوں جو کلامِ انیس سے مترشح ہوتی ہے۔ جناب حُر جو آخری وقت میں تشریف لاتے ہیں اور بقول بائیبل "کتنے آگے ہیں جو پیچھے رہ جائیں گے اور کتنے پیچھے ہیں جو آگے نکل جائیں گے" کے مصداق ہیں۔ موت انہیں سامنے نظر آ رہی ہے۔ حق کو قبول کرتے ہیں اور اُس وقت بڑھکر جام شہادت کو لبوں سے لگاتے ہیں جبکہ بچاؤ کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ انیس نے ان کے آخری لمحوں کی منظر کشی کی ہے۔ کردار نگاری کے لئے منظر کشی ایک جزئیہ ہے۔ ایک ضمیمہ ہے۔ اسے آپ علیحدہ بھی بیان کر سکتے ہیں لیکن جہاں

کردار نگاری ہوگی وہاں منظر کشی کا ہونا ضروری ہے۔ ہنگام نگاری بھی آئے گی۔ حالات و کوائف بھی پیدا کیے جائیں گے۔ محرکات کی کار فرمائی بھی ہوگی، اور دیکھا جائے تو انیس نے اپنے کلام میں ان تمام مراحل کو بیان کیا ہے اور کمال خوبی سے انہیں نباہا ہے۔ انیس کا ایک شعر ہے جس میں کہیں محبت کا لفظ استعمال نہیں ہوا، کہیں وفا اور ایثار کا تذکرہ نہیں آیا لیکن شعر کا مفہوم یہ ظاہر کرتا ہے جیسے وفا کا سمندر اُبل رہا ہو، محبت کے سوتے رواں ہوں اور ایثار کا قلزم جوش مار رہا ہو۔ عرصۂ مسافت طے کرنے کی بات ہو رہی ہے۔ جنّت کی طرف جانے کا رختِ سفر باندھا ہوا ہے اور دُنیا میں کسی سے تعلّق بھی ہے۔ اس تعلق کو نباہنا بھی ملحوظِ خاطر ہے اور سفرِ آخرت بھی نگاہوں میں ہے۔ ایک ایسا منظر پیدا ہو چکا ہے کہ اُردو شاعری میں مجھے اپنی بے بضاعتی کے احساس کے باوجود کوئی شعر اس شعر کا ہم پلّہ نظر نہیں آتا۔ جنابِ حُر کے بارے میں میر انیس کہتے ہیں ؎

طائرِ روح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف
پُتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

جناب عبّاس کے کردار کو دیکھیے۔ کیا رشتوں کا احترام ہے، کیا تعلّق ہے، یہ کس سماج کا نقشہ ہے کہ بھائی کو بھائی نہیں کہتے۔ آقا کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہی نہیں، جب جنابِ علی اکبر سے پہلے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت

طلب کرتے ہیں تو نہ صرف امام حسین علیہ السلام کے لئے آقا کا لفظ استعمال کرتے ہیں بلکہ جنابِ علی اکبر کے لئے بھی احترام و منزلت کا وہی جذبہ کار فرما نظر آتا ہے ؎

پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

اور پھر منت و سماجت کرتے ہیں۔ ان کے احسانات یاد دلاتے ہیں۔ وفائے عباس کی جو تصویر میر انیس نے کھینچ دی ہے میں اس کی مثال کہاں سے لاؤں۔ یہ کردار بھی بے مثال ہیں اور جس شاعر نے انہیں پیش کیا ہے وہ بھی بے مثال ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مسدس میں بند کے جو آخری دو مصرعے ہوتے ہیں وہ ٹیپ کے مصرعے ہوتے ہیں۔ لیکن میں جب کلام انیس کو دیکھتا ہوں، جب کبھی ان کا لکھا ہوا مرثیہ پڑھتا ہوں تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شخص دریا کے کنارے کھڑا ہو اور یہ جاننے کی کوشش کرے کہ لہر کہاں سے اُٹھی، کہاں تموّج میں آئی اور کہاں گم ہو گئی۔ اس کے باوجود اُسے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ لہر نے کہاں جنم لیا اور کہاں آگے بڑھی۔ ایک صاف اور شفّاف روانی ہے جو اس کی نگاہوں میں کوندتی رہتی ہے۔ یہی حال کلام انیس کا ہے۔ مجھے کہیں اس میں ٹیپ کا بند نظر نہیں آتا۔ میرے لئے اس کا ہر بند ٹیپ کا بند ہے۔ ایسے

ہی ایک بند میں میر انیس جناب عبّاس کی زبان سے سفارش کے لئے کیا کیا احسانات گنواتے ہیں اور سفارش بھی کس بات کی چاہتے ہیں، میدانِ جنگ میں جانے کی۔ دیکھئے کن لفظوں میں، کس انداز سے، کس ادب و احترام کے ساتھ اور کس قرینے سے یہ کہتے ہوئے جنگ کی اجازت چاہتے ہیں۔

پالا ہے مجھکو یا شہِ دلگیر آپ نے
کی ہے ہمیشہ پیار سے تقریر آپ نے

بندھوائی ہے کمر میں یہ شمشیر آپ نے
بخشی ہے سب، ہیں عزّت و توقیر آپ نے

وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجیئے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجیئے

جنگ کے میدان میں جانے کے لئے یہ اسلوب بیان کہ ع

بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجیئے

یہ انیس کے سوا اور کہیں مشکل ہی سے نظر آئے گا اور پھر یہ کردار نگاری، یہ نفسیات کا عالم اور یہ کشمکشِ جذبات کا اظہار اور پیرایۂ بیان کا نکھار کہ جناب عبّاس بچوں کی پیاس برداشت نہ کرتے ہوئے دریائے فرات کی طرف جاتے ہیں اور گھوڑا پانی میں ڈال دیتے ہیں، لڑتے بھڑتے، دشمنوں کو مارتے، اُن کے سر قلم کرتے اور ہٹاتے ہوئے آگے

بڑھے ہیں۔ اس موقع پر انہیں کیا خیال دامنگیر ہے؟ پانی سامنے موجیں لے رہا ہے۔ تین دن کی پیاس سے لب خشک ہیں۔ حلق میں کانٹا سا محسوس ہو رہا ہے۔ مشک بھرنے کے لئے پانی میں ڈال دی ہے۔ پانی پی سکتے ہیں مگر اللہ رے احساسات کا عالم!

فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں
گویا خضر اُتر گئے آبِ حیات میں

دریا دِل ایسا کون ہوا کائنات میں
تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں

مشک کو ہاتھ سے نہیں پکڑا۔ بلکہ اس کے تسمے کو پکڑ کر پانی میں ڈبو دیا ہے۔ ایسا کیوں کیا؟ انیس اس کا سبب بیان کرتے ہیں

سیراب جب تلک کہ شہِ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

پانی کی بہتی ہوئی چادر نظر میں ہے۔ بچوں کی پیاس کا بھی خیال ہے۔ دل و دماغ میں ایک کشمکش بپا ہے۔ انیس نے جس خوبصورتی کے ساتھ اس کشمکش کو بیان کیا ہے یہ انہی کا حصّہ ہے ——— اور جناب عبّاس علمدار کا جو مرقع سیرت ہماری نگاہوں میں ہے، اُس کے لحاظ سے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ احساسات اُس وقت جناب عبّاس کے نہیں تھے۔ انیس نے لکھنؤ

کو کہیں عرب کی چمک دمک کے لئے استعمال نہیں کیا۔ انیس نے جو کچھ کہا، میں سمجھتا ہوں وہی ہوا بھی۔ انیس نے روح کی آنکھ سے جو کچھ دیکھا تھا، وہ اسیطرح وقوع پذیر بھی ہوا تھا۔ ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ ان کرداروں کی عظمت کا منطقی نتیجہ بھی یہی ہو سکتا ہے کہ انیس نے جو تصویر پیش کی ہے اس میں مُو بمُو کوئی مبالغہ نہیں۔ ایک منظر ملاحظہ ہو

گرمی میں تشنگی سے کلیجہ تھا آب آب
تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب

آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب
کہتا تھا مُنہ کو پھیر کے وہ آسماں جناب

عبّاس! آبرو میں تری فرق آئے گا
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا

میں اس بند کے شعری لوازمات اور لفظی نزاکتوں میں جانا نہیں چاہتا اور اس کے اندر جو حُسن ہے میں اس کی تشریح بھی کرنا نہیں چاہتا۔ یہ اہلِ ادب اور علمِ بیان کے ماہروں کا کام ہے۔ مجھے تو اس جذبۂ وفا کا اظہار مقصود ہے جو حضرت عبّاس کے احساسات سے ہوا۔ کیا اس سے بڑھکر بھی وفا کا کوئی اور کردار ہو سکتا ہے۔!

وفا کا تیسرا بے مثال کردار جناب زینب سلام اللہ علیہا کا کردار

ہے۔ یہاں دو جذبوں کے درمیان کشمکش ہے۔ ایک طرف ادائیگی فرض کا جذبہ ہے کہ خاتونِ جنّت سلام اللہ علیہا جناب امام کا ہاتھ سیّدہ زینب کو تھما کے رخصت ہوئی ہیں، کہ تم بڑی بیٹی ہو۔ میرا حسین اب تمہارے سپرد ہے۔ اس طرح جناب سید الشہداء کی بہن بھی ہیں اور ماں کے فرائض بھی انہیں پورے کرنے ہیں۔ پنجتن پاک کے اس آخری تنِ پاک کی حفاظت بھی انہی کو کرنا ہے۔ یہ ادائے فرض ہے۔ دوسری طرف ماں کی ممتا بھی ہے۔ عون و محمّد کی محبت کا سوال بھی درپیش ہے۔ ان دونوں جذبوں کے اندر تصادم کا ہونا، کشمکش کا ہونا ایک قدرتی امر تھا ——— لیکن وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ انیس کا کام فقط رُلانا ہے۔ انیس صرف رُلاتا ہے اور اس انداز کی مرثیہ نگاری کرتا ہے کہ رونے رلانے کے سوا اُس کے ہاں اور کچھ نہیں ملتا ——— تو یہ ایک الگ بحث ہے کہ میں اس کے متعلق کچھ کہوں۔ میرے نزدیک غمِ حسین میں رونا اور رلانا خود اپنے دل کی سیاہی کو دھونا ہے اور جب بھی میں نے کلامِ انیس کو پڑھا تو مجھے یہی محسوس ہوا کہ انیس نے پہلے تو غمِ حسین کو غمِ ذات بنایا پھر اس غمِ ذات کو غمِ کائنات بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس غم کو میں تمام غموں کیلئے ڈھال سمجھتا ہوں۔ دیکھنا یہ ہے کہ تذکرۂ غم کے علاوہ انیس نے جو کردار نگاری کی ہے اور اپنے کرداروں کے ذریعہ جو سبق دیا ہے وہ انسانیت کا

اعلیٰ ترین سبق ہے۔ سیّدہ زینب کے بیٹوں عون و محمد میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ علم ہمارے ہاتھ میں آئے۔ عہدے کا جھگڑا وہاں بھی ہے۔ منصب کی خواہش وہاں بھی ہے۔ ایک آرزو وہاں بھی ہے۔ لیکن کیسی؟ تمنّا وہاں بھی ہے لیکن مسابقت کی۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی۔ مقابلہ ہے اس بات میں کہ کون پہلے مرے گا اور مرے گا تو کس اعزاز کے ساتھ مرے گا۔ عَلم ہاتھ میں لے کر کون اپنے آقا پر جان دے گا، دین کی راہ میں قربان ہو گا؟ اور ماں جب اپنے ان نونہالوں کی گفتگو سنتی ہے تو اُسے معاً یہ خیال آتا ہے کہ یہ ننھے مُنّے حسینی فوج کے سپاہی لڑنے جائیں گے تو میدانِ جنگ میں ان کے لاشے تڑپتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ہر ماں کے دِل میں ان حالات کے تحت یہ خیال پیدا ہونا ضروری ہے۔ اس سے مفر نہیں۔ لیکن اس پر بھی وہ اپنے بچوں کو سمجھاتی ہیں۔ نصیحت کرتی ہیں۔ یہاں ادائے فرض اور ماں کی ممتا میں جو کشمکش پیدا ہو جاتی ہے انیس کس حسن و خوبی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے سیّدہ زینب کی زبان سے کہلواتے ہیں

پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخرِ روزگار — زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار

جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار — دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار

تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علی کے ہیں

اور جب انہیں شہادت کی خبر ملتی ہے۔ میدانِ جنگ میں بچّوں کی لاشیں خاک و خون میں مِل جانے کی اطلاع ہوتی ہے، اُس وقت ایک طرف ماں کی ماںمتا اُبھر آتی ہے تو دوسری طرف بھائی کی محبت دامنگیر ہو جاتی ہے۔ ان دونوں جذبوں میں جو کشمکش ہے جناب زینب محبت و ایثار کا سراپا بن کر اس سے اُبھرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور فرماتی ہیں ؛

بھائی کے آگے لاشوں پہ جا کر کروں میں بین | بے صبر ہے یہ دل میں کہیں گے مجھے حسین
گر مر گئے تو مر گئے وہ دونوں نورِ عین | کیونکر چلوں کھڑے ہیں شہنشاہِ مشرقین

روؤں گی میں تو پھر علی اکبر بھی روئیں گے

خیال اس بات کا نہیں کہ میرے بیٹے شہید ہو گئے۔ ملال یہ نہیں کہ میری گود اُجڑ گئی۔ بچّوں کے لاشے تڑپ رہے ہیں۔ وہ پھول خزاں کی زد میں آ چکے ہیں خیال کوئی دامنگیر ہے تو صرف اتنا کہ اگر میں روئی تو جنابِ علی اکبر بھی روئیں گے

روؤں گی میں تو پھر علی اکبر بھی روئیں گے
صدمہ یہ مجھکو ہے کہ برادر بھی روئیں گے

یہ وفا کا مرقّع جو انیس نے کھینچا ہے، جناب زینب کی سیرت سے ہم آہنگ ہے اور انسان کا ایمان اور اس کا یقین کہہ اُٹھتا ہے کہ انیس نے جو کچھ لکھا، برحق لکھا ہے اور انیس کی کردار نگاری کے مقابلہ میں دنیا کے کسی شاعر کی کردار نگاری کو اس لئے پیش نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے کردار خود ان کی مخلوق ہیں۔ اس نسبت سے جو فاصلہ اور جو فرق ان کے کرداروں میں اور انیس کے کرداروں میں ہے وہی فرق ان کی شاعری میں اور انیس کی شاعری میں ہے۔

میرے نزدیک یہ کہنا غلط ہے کہ انیس مذہب کے شاعر تھے۔ ایک مکتب فکر کی بات نہیں اگر یہ کہا جائے کہ وہ صرف ایک زبان کے شاعر تھے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ شاعر تھے اور دنیائے انسانیت کے لئے ان کی شاعری ایک پیغام کی حامل ہے۔ ایک ایسا پیغام، لازوال پیغام جہاں قدم قدم پر آپ کو انسانیت کا درس ملے گا، مودّت بشر ملے گی۔ وہ احترام بشر ملے گا جس کی آج زمانے کو ضرورت ہے۔ جو لوگ انیس کے کلام میں صرف رونے کی باتیں دیکھتے ہیں اور محض سُنی سُنائی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں انہیں چاہیئے کہ کلام انیس پڑھیں۔ تعصّب کی آنکھ سے نہ پڑھیں، تعصّب کی عینک اتار کر پڑھیں اور پھر دیکھیں کہ انیس نے ایک ایک مقام پر انسانیت کو کیا پیغام دیا ہے۔ ایک دو مقامات کو دیکھئے۔ موقع یہ ہے کہ امام حسین تن تنہا فوج اشقیاء سے نبرد آزما ہیں۔ ذوالفقار دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہی ہے۔ مخالفوں کو شجاعت

حیدری کا نقشہ نظر آرہا ہے۔ بھگدڑ مچی ہوئی ہے۔ الامان والحفیظ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں کہ اتنے میں کوئی شخص حسینؑ کو رسولؐ کا واسطہ دیتا ہے۔ انیس اس مقام کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اس شور میں سنا جو رسولِ خدا کا نام   پڑھکر درود آپ نے بس روک لی حسام

فرمایا خیر، تم سے خدا لے گا انتقام   عاجز نہیں یہ بیکس و مظلوم و تشنہ کام

کیا چیز سر ہے ، بات میں ہم لوگ مرتے ہیں
دیکھو اس اختیار پہ یوں صبر کرتے ہیں

جناب عباس بظاہر کسی بات پر کچھ ناخوش سے ہیں۔ اُن کے تیور بدلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور وہ شمشیر بکف دشمنوں سے لڑنے کے لئے میدان میں آ جاتے ہیں تاکہ ترائی کی جگہ اپنے پاس رہے اور دشمنوں کے پاس نہ جانے پائے۔ اس موقع پر حضرت امام جناب عباس کو تلقین فرماتے ہیں۔ دیکھئے اس تلقین میں کیا کچھ نہیں ہے۔! کیا آپ کو اس میں آدمیت نظر نہیں آتی؟ کیا اس میں انسانیت کی تمام اعلےٰ قدریں موجود نہیں؟ کیا اس میں آپ کو صبر کے وہ تمام کمالات دکھائی نہیں دیتے جنہیں دیکھنے کے لئے زمانہ ترس رہا ہے۔ رونے رلانے کے مواقع پر انیس ان پہلوؤں کو جس طرح پیش کرتے

ہیں، یہ انہی کا حصّہ ہے۔ جناب امام حضرت عبّاس کو تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ہے گرچہ ان کی بے ادبی قابلِ سزا پر تم پسر رحیم کے ہو، بخش دو خطا

جنگل ہو یا تراؔئی ہو، ہے ہر جگہ خدا مظلوم کو، غریب کو، غصّے سے کام کیا

کیا بے بسی اور بے کسی کا منظر کھینچا جا رہا ہے اور اس منظر کو لفظوں کے ذریعہ کس طرح نگاہوں کے سامنے لایا جا رہا ہے

کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے

ہم کو نبی کی روحِ مطہّر کا پاس ہے

اور پھر جب امام یہ دیکھتے ہیں کہ جناب عبّاس بہت خشمگیں ہیں تو ایک دوسرے انداز سے بات ہوتی ہے اور وہ انداز یہ ہے۔

آؤ تمہیں قسم ہے جنابِ امیر کی بگڑو نہ سرکشی سے سپاہِ شریر کی

ہمراہ بیٹیاں ہیں شہِ قلعہ گیر کی سب سے جدا ہی چاہیے منزل فقیر کی

کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے

یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے

وقت اور حالات کا تقاضا ہی یہی ہے کہ الگ تھلگ ڈیرہ ڈالا جائے۔ ہمارے ساتھ شیرِ خیبر شکن کی بیٹیاں ہیں۔ یہ مخدّراتِ عصمت ہیں اور ہماری منزل بھی اگر الگ تھلگ ہوگی تو یہ شرم وحیا کے تقاضوں کے اور عفّت وعصمت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگا۔

ان شواہد کی روشنی میں کلامِ انیس کو کسی مکتبِ فکر سے وابستہ کرنا بلکہ کسی مذہب سے وابستہ کرنا، کسی زبان سے وابستہ کرنا انیس کو محدود کر دینے کے مترادف ہے۔ آج زمانے کو ان اعلیٰ قدروں کی ضرورت ہے۔ آج زمانے میں اعتبارِ بشریت ختم ہو رہا ہے۔ آج انسان سے انسان مایوس ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اگر اس مایوسی کا طلسم توڑنا ہے، اگر اعتبارِ بشریت کو قائم رکھنا ہے اگر زمانے کے سامنے انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے نمونے پیش کرنے ہیں تو پھر کلامِ انیس کو عام کرنا ہوگا۔ انیس کے کرداروں کو عام کرنا ہوگا اور زمانے کو ان کی طرف دعوت دینا ہوگی۔

میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ کلامِ انیس میں کس ثقافت کی جھلک ہے۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ یہاں جو رشتوں کا احترام ہے، جو ادب آداب ہیں، انسانی کردار کی جو اعلیٰ قدریں یہاں پائی جاتی ہیں، اپنے اور بیگانے کے ساتھ یکساں محبت و مودّت کا جو انداز ہے، اس میں گفتگو کا جو طریقہ، وقت وقت کے لئے جو علیحدہ اسلوب اور قرینہ ہے، اس میں جو

تہذیب نظر آتی ہے ، پیار اور محبت کی بات کرنے کے لئے جو مختلف اسالیب دکھائی دیتے ہیں۔ ان تمام پہلوؤں کو جب میں دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اُن دانشوروں کو آواز دینی چاہیئے جو آج پاکستان کے اس معاشرے میں یہ نعرہ بلند کرتے ہیں کہ اسلامی ثقافت کوئی چیز نہیں ہے۔ ایسے دانشوروں کو میرا یہ مشورہ ہے کہ دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ آؤ! اسلامی ثقافت کی جھلک دیکھنا چاہتے ہو تو کلامِ انیس میں دیکھو، انیس اسلامی ثقافت کا آئینہ ہے!

اور اس اسلامی ثقافت کو عام کرنے کے لئے، اسے مقبول بنانے کے لئے، اس کا دائرہ اپنے مُلک سے بڑھا کر ایران تک اور ایران سے بڑھا کر ساری دُنیا تک پھیلانے کے لئے آپ کتاب خانۂ انیس قائم کریں، آپ عزاخانۂ انیس قائم کریں، آپ شفاخانۂ انیس قائم کریں، آپ آشیانۂ انیس قائم کریں۔ میں اس آشیانے کے لئے ایک ایک تنکا جمع کرنا اپنے لئے وجہِ سعادت سمجھوں گا۔

انیسِ اعظم

جوش ملیح آبادی

اے دیارِ لفظ و معنی کے رئیس ابن رئیس
اے امینِ کربلا باطل نگار و حق نویس
ناظم کرسی نشیں و شاعر یزداں جلیس
عظمت آلِ محمد کے مورّخ اے انیس
تیری ہر موجِ نفس روح الامین کی جان ہے
تو مری اُردو زباں کا بولتا قرآن ہے

تجھ میں اندازِ جنوں بھی طرزِ دانائی بھی ہے
لکھنؤ کا ناز بھی دلی کی برنائی بھی ہے
آتشِ موسیٰ بھی ہے آبِ مسیحائی بھی ہے
قیس کی بھی کروٹیں لیلیٰ کی انگڑائی بھی ہے
تجھ میں ذوقِ گریہ بھی شوقِ غزلخوانی بھی ہے
آگ بھی ہے تیرے احساسات میں پانی بھی ہے

اے دبیرِ ملکِ معنے اے انیسِ محترم
اے شہنشاہِ سخن اے خسروِ سیف و قلم
دوش پر تیرے حسین ابنِ علی کا ہے علم
اے شہِ گیتی وقار و شاعرِ گردوں حشم
رزم کے میداں میں تو چلتی ہوئی تلوار ہے
بزم کی محرابِ زریں کلکِ گوہر بار ہے

تیرے شہرِ جاں میں ہے آب و ہوائے کربلا　　چرخ زن تیری صدا میں ہے بکائے کربلا
ثبت ہے تیری جبیں پر ماجرائے کربلا　　نصب ہیں تیری زمیں پر خیمہ ہائے کربلا
خطبۂ زینبؑ کا زیر و بم ہے تیرے ساز میں
شہپرِ جبریل جُنباں ہے تری آواز میں
اعتبارِ نغمۂ تسنیم و کوثر تجھ سے ہے　　طمطراقِ نعرۂ اللہ اکبر تجھ سے ہے
آبروئے مجلس و محرابؑ منبر تجھ سے ہے　　زندہ ذکرِ پاکِ اولادِ پیمبر تجھ سے ہے
اے امامِ کشورِ جادو بیانی السلام
اے کلیمِ طورِ الفاظ و معانی السلام
الاماں تیری عروسِ فکر کے نقش و نگار　　گُل چکاں و گُل فشاں رنگ بیز و لالہ بار
تیری موجِ طبع پر قربان ابرِ نو بہار　　تیرے لہجے میں جھنکتے ہیں سولوں کے ستار
ولولوں کا تیرے چہرے پر وہ آب و رنگ ہے
تیری پیری سے زلیخا کی جوانی تنگ ہے

نذرِ انیسؔ

احمد ندیم قاسمی

میر انیسؔ کے ایک مشہور سلام کی زمین میں

جہانِ شعر کا ایک ایک نامور دیکھا
انیسؔ! تجھ سا نہ کوئی بھی باہنر دیکھا

کئی اساتذہ گزرے ہیں عہدِ ماضی میں
کوئی نہ ایسا مگر صاحبِ نظر دیکھا

لکھے گئے ہیں ترے بعد مرثیے لاکھوں
ترے ہی فن کو مگر سب میں جلوہ گر دیکھا

ہیں متفق سبھی اہلِ ہنر، کہ تیرا مثیل
نہ تیرے بعد ہی دیکھا، نہ بیشتر دیکھا

جو تیری راہ میں حائل ہوئے غبار ہوئے
کہ اہلِ شعر نے یہ تجربہ بھی کر دیکھا

ابھی ابھی ترے اشعار کیا سُنے میں نے
کہ ایک معرکہ مابینِ خیر و شر دیکھا

ترے کلام کے بین السطور، درخشندہ
زمانے بھر نے رُخِ سیّد البشر دیکھا

لہو ٹپکنے لگا کربلا کے ذرّوں سے
کسی بھی عہد نے کب ایسا نوحہ گر دیکھا

چلی جو بحث کبھی مرثیہ نگاری کی
انیسؔ! تو ہی دکھائی دیا، جدھر دیکھا

63115

بیادِ خدائے سخن ——— میر انیسؔ اعلیٰ اللہ مقامہٗ

سیّد فیضی

○

پروردگارِ شعر، خدائے سخن انیسؔ
نورِ تخیّلات کا ہے بانکپن انیسؔ
مجلس انیسؔ، بزمِ انیس، انجمن انیسؔ
منبر کی جان، طرزِ خطابت کا فن انیسؔ
حکمت کی روشنی ہے، فصاحت کا ذوق ہے
جادو بیاں انیسؔ دبستانِ شوق ہے

شعر و ادب کی مسندِ عزّت کا تاجدار
معجز رقم، بلند نظر، آسماں وقار
شاعر، ادیب، مرثیہ گو، منقبت نگار
عظمت قلم کی، لوحِ تخیّل کا افتخار
کیا گلستاں انیسؔ نے سینچے ہیں بات کے
بخشے ہیں مرگِ فکر کو تیور حیات کے

وہ آسمانِ شعر پہ ہر سُو ہے ضو فگن
فکر و نظر سے اُس کی منوّر ہیں علم و فن
لہجہ ہو اُس کا، طرز ہو، تیور ہو یا چلن
ہر بات میں انیسؔ کی ہے ندرتِ سخن
معیارِ فن جو اُس نے بنایا نہ رد ہوا
جو لفظ جیسے باندھ دیا، مستند ہوا

بزمِ انیسؔ دانش و بینش کی برتری — رزمِ انیسؔ معجزۂ تیغِ حیدری
عزمِ انیسؔ اشاعتِ دینِ پیمبری — نظمِ انیسؔ رعب و جمالِ سخنوری
یوں ذوقِ شاعری نے اُسے جگمگا دیا
مدّاحِ اہل بیتِ پیمبر بنا دیا

زورِ بیان ایسا کہ فطرت ہے خود بھی دنگ — مضموں ہے ایک، بخشتے ہیں اس کو ہزار رنگ
اسلوب نو بہ نو ہیں، نیا ہے ہر ایک ڈھنگ — رخصت ہو، ماجرا ہو، رجز ہو کہ اذنِ جنگ
ہر واقعہ مشاہدۂ اعتبار ہے
ہر منظر آئینے کی طرح آشکار ہے

ذرّے اُٹھا کے اس نے بنائے ہیں کہکشاں — سازِ حیات سے کیے نغمے رواں دواں
غم آفریں ہے کرب و بلا کی جو داستاں — یہ کر گئی انیسؔ کو انسانِ جاوداں
کیا کیا زبانِ شعر میں جوہر دکھائے ہیں
زخموں کو گفتگو کے طریقے سکھائے ہیں

کرب و بلا انیس کی عرفانیت کا نُور — کرب و بلا مقامِ نظر منزلِ شعور
کرب و بلا ہے عشق کا سرمایۂ غرور — کرب و بلا تجلّیِ نظّارہ گاہِ طور
کرب و بلا کے طور کا مُوسیٰ انیسؔ ہے
ہر طرزِ گفتگو کا سلیقہ انیسؔ ہے

نغمہ بلب کہا وہ ریاضِ رسولؐ ہیں　　فانوسِ غم جلا دیئے طبعِ ملول ہیں
خوشبو سے اہلِ بیت بھری پھول پھول ہیں　　وہ مرتبہ مِلا اُسے حُسنِ قبول ہیں

دُنیا میں رہ کے دین کی دولت خرید لی
سبطِ نبی کے ذکر سے جنّت خرید لی

فطرت نے جیسا دل اُسے بخشا تھا دردمند　　موضوعِ فکر ویسا ہی آیا اُسے پسند
اُس کے قلم سے آبروئے غم ہوئی دوچند　　پرچم حسینیت کا رکھا اس نے سربلند

فِکر اُس کی منجلی ہے پیامِ حسینؑ سے
نامِ انیسؔ زندہ ہے نامِ حسینؑ سے

جہاں انیسؔ وہیں مرثیہ وہیں اُردو

شاہد نقوی

سخنوروں کی کمی ہے نہ کچھ ادیبوں کی — بھرا ہے جوہرِ قابل سے دامنِ اُردو
کلی کے لب پہ تبسم گلوں کے رخ پہ نکھار — دل و نگاہ کی جنت ہے گلشنِ اُردو

یہ وہ عظیم چمن ہے کہ باغبانوں نے — روش روش کو جگر کے لہو سے سینچا ہے
یہ گلستاں نہیں دراصل دستِ قدرت نے — زمیں پہ رُوحِ تمنا کا نقش کھینچا ہے

ورائے حلقۂ تنقید کیوں نہ ہو یہ چمن — رہی ہے اس پہ نظر کتنے باغبانوں کی
ہر ایک ذرّہ نہ کیوں رفعتوں پہ ناز کرے — ہے جلوہ گہہ یہ زمیں کتنے آسمانوں کی

ولیؔ و آرزوؔ و میرؔ و حاتمؔ و سوداؔ — نگیںؔ و مصحفیؔ و میر دردؔ و سوزؔ و منیرؔ
فغاںؔ و جرأتؔ و انشاؔ و آتشؔ و ناسخؔ — نسیمؔ و راسخؔ و رنگینؔ و بحرؔ و رشکؔ و ذریہؔ

نصیرؔ و شیفتہؔ و ذوقؔ و غالبؔ و مومنؔ
فقیرؔ و سالکؔ و آزادؔ و حالیؔ و مجروحؔ
امیرؔ و داغؔ و نظامؔ و جلیلؔ و افسرؔ و ہوشؔ
ریاضؔ و فانیؔ و احسنؔ شہیرؔ و یاسؔ و نوحؔ

صفیؔ و محشرؔ و حکمتؔ و شوقؔ و نظمؔ و عزیزؔ
ظریفؔ و اکبرؔ و نانیؔ و حسرتؔ و اصغرؔ
جلالؔ و ضامنؔ و اقبالؔ و جوشؔ و بزمؔ و فراقؔ
قدیرؔ و ساحرؔ و روشؔ ندیمؔ و فیضؔ و جگرؔ

میں کتنے نام گناؤں میں کتنے نام لکھوں
ہر ایک موڑ پہ بکھرے ہیں ان گنت تارے
قدم قدم پہ ہے ضوپاشیٔ مہ و خورشید
روش روش سے ابلتے ہیں نور کے دھارے

یہ سب اور ان کے سوا ان کے کارہائے ہنر
عظیم فکر و نظر کا سراغ ہیں یہ لوگ
یہ وہ ہیں جن سے ادب کا حصار روشن ہے
رہِ شعور و خرد کے چراغ ہیں یہ لوگ

چراغ ہیں یہ مگر اپنی حد میں روشن ہیں
فروغ ان کی تجلی کا اپنے گھر تک ہے
دیارِ غیر میں دھندلی سی کچھ شعاعیں ہیں
اور ان کا نور بھی اک حدِ مختصر تک ہے

بہت ہیں کہنے کو اصنافِ شعر اردو میں
کوئی طویل کوئی مختصر کوئی مجمل
مگر وہ صنفِ سخن جس کو منفرد کہیے
قصیدہ ہے نہ رباعی نہ مثنوی نہ غزل

Collection

نہ جس کی مثل کہیں عالمی ادب میں ملے — وہ صرف ایک ہی صنفِ سخن ہے اردو میں
عظیم صنفِ سخن جس کو مرثیہ کہیے — اک امتیاز سے جلوہ فگن ہے اردو میں

کسی زباں کا بھی دنیا کی جائزہ لیجئے — جو شانِ مرثیہ اردو میں ہے کسی میں نہیں
یہ منفرد یہ ہمہ گیری یہ بے کراں وسعت — کسی زباں کے بھی دامانِ آگہی میں نہیں

وہ صنف جس میں کہ اک صنف کی جھلک مل جائے — اگر ہے اور کسی ملک کے ادب میں تو لاؤ
وہ ایک آئینہ جس میں ہر آئینہ بولے — کسی زباں کو میسر ہوا ہو گر تو دکھاؤ

وہ ہو زباں کی لطافت کہ ندرتِ اسلوب — ہمارا مرثیہ ہر زاویے سے یکتا ہے
یہ رکھ رکھاؤ یہ وسعت یہ سادگی یہ چاؤ — کسی زباں میں نہیں ہے یہ میرا دعویٰ ہے

یہ واقعہ ہے کہ اردو کی منزلِ رفعت — بقدرِ نقطۂ معراج مرثیہ ٹھہری
جو مرثیہ کا وہی قدر زبانِ اردو کا — جو اس کی حد ہے وہی اس کی انتہا ٹھہری

سوال یہ ہے کہ خود مرثیہ کہاں ہے آج — یہ صنف تیز قدم کس مقام تک پہنچی
وہ کون تھا جو اسے اس مقام تک لایا — چلی یہ بات تو پھر کس کے نام تک پہنچی

ادب میں صرف اسی مسئلہ کو حاصل ہے — وہ فیصلہ نہیں جس میں کسی کو جائے کلام
جہاں بھی اٹھے گا سر خیل مرثیہ کا سوال — ہر اک زباں پہ مچل جائے گا انیس کا نام

جو ہیں انیس کی عظمت سے اب بھی ناواقف — انہیں خبر نہیں شاید کہ مرثیہ کیا ہے
جو پوچھتے ہیں کہ کیا ہے انیس کی منزل — وہ یہ بتائیں کہ اردو کی انتہا کیا ہے

کمالِ اوجِ زباں کا اشارہ ہے انیس — اگر انیس نہیں ہے تو کچھ نہیں اردو
انیس کے لئے اس کے سوا میں کیا لکھوں — جہاں انیس، وہیں مرثیہ، وہیں اردو

ہر ایک رخ سے تھے یکتا، انیس ایسے تھے
جو جس طرح سے بھی سمجھے، انیس ویسے تھے
کلیم و طور کی نسبت کوئی مذاق نہیں؟
دبیر سے کوئی پوچھے، انیس کیسے تھے

میر رضی میر

انیسؔ بحیثیت معلّمِ اخلاق

ڈاکٹر محمود حسین مرحوم وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی

انیسؔ کی شاعری، ان کی مرثیہ گوئی اور ادبی حیثیت مسلّم ہے، انھوں نے اُردو ادب کو بلند مرتبہ بخشا، ان کے کلام سے ادبی میدان میں نئی تحریک کی بنیاد پڑی، مرثیہ نگاری کو اُنھوں نے اپنے کمالِ فن سے اُردو ادب کا ایک اہم اور لازمی جزو بنا دیا یہ سب باتیں بالکل بجا ہیں، اور اس پر اُردو ادب کے عالموں اور تنقید نگاروں نے بہت کچھ لکھا ہے اور ابھی اور بھی لکھا جائے گا۔

لیکن میں اس وقت انیسؔ کے سلسلے میں صرف ایک بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں اور وہ ہے انیسؔ کی حیثیت ایک "معلّمِ اخلاق" کے طور پر، میرا خیال ہے انیسؔ نے کردار کی بلندی، اخلاق کی عظمت، ایثار و قربانی کے جذبے کو، حق کی حمایت اور باطل کے خلاف جد و جہد کرنے کو جس

خوبی سے پیش کیا ہے وہ صرف ادبی شہ پارہ ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے ایمان کا ایک حصہ ہے تعلیمی حیثیت سے درس و تدریس میں آج تک جس چیز کی کمی رہی ہے اور آج جس چیز کی شدت سے زیادہ کمی محسوس کی جا رہی ہے وہ بچوں اور بالغوں کی تعلیم میں کردار سازی اور ذہنی نشو و نما میں اسلامی زندگی کے اس حصہ کی کمی ہے جس سے انفرادی اور اجتماعی کردار بنتا ہے، ایک سادہ مگر غیر مؤثر طریقہ اخلاقی تعلیم کا یہ ہے کہ جسے انگریزی میں Do's and Dont's کہتے ہیں وہ بتا دیئے جائیں "ایسا کرو اور یوں نہ کرو" اپنے اثر کے اعتبار سے اس طرح . . . چیزوں کو پیش کرنے سے کامیابی مشکل ہوتی ہے۔ انیس نے یہ نہیں کیا۔ انیس نے اعلیٰ اخلاق کا ایک مثالی کردار لیا اور حضرت امام حسینؑ کی زندگی کے ہر پہلو کو ایسے الفاظ میں پیش کیا کہ وہ زندگی جن اقدار کا بہترین نمونہ تھی وہ اقدار انیس کے طفیل لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہو گئیں۔ اس اعتبار سے میں انیس کو نہ صرف اعلیٰ درجہ کا شاعر بلکہ نہایت کامیاب معلم سمجھتا ہوں۔ ایک پوری قوم کے ذہن پر وہ اثر انداز ہوئے اور وہ اثر اُس وقت تک باقی رہے گا جب تک اُردو زبان زندہ ہے۔

ہم جب قوموں کے عروج و زوال کے اسباب پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسی قوم نے مجموعی حیثیت سے زیادہ ترقی کی ہے جس نے اپنی ذہنی ترقی میں کردار کی بلندی کا خیال رکھا ہے۔

قوموں کی ترقی سے صرف صنعت و حرفت اور ٹیکنالوجی کی ترقی مراد نہیں ہوتی ہے، نہ ایک خاص زمانہ میں کسی خاص ملک یا قوم کی ترقی کو پیمانہ بنایا جاسکتا ہے، بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ تمام بنی نوعِ انسان کی ترقی میں اس قوم کا کتنا حصہ ہے اور کتنے عرصہ تک اس کے اثرات جاری رہے۔

یہی وہ بنیادی بات ہے جس کو ہم اسلامی اقدار سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے اس حیثیت سے اگر انیس کے کلام کا تجزیہ کیا جائے اور اسے نصاب کا حصہ بنایا جائے تو یہ اردو ادب اور پاکستانی قوم کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

انیس پر میرا مطالعہ بہت محدود ہے۔

ممکن ہے اس حیثیت سے بھی انیس پر لکھا گیا ہو اور کچھ کام ہوا ہو لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر واقعی ہم اس عظیم شاعر اور مفکر سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو تعلیمی طبقہ کو اس طرف خاص طور سے توجہ کرنا چاہیئے۔

میں جب کبھی انیس کا کلام پڑھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں ان کے کلام میں ایک ایسی تاثیر، وارفتگی اور حلاوت ہے جو خود بخود دلوں و دماغ پر قبضہ جما لیتی ہے۔ یہ بات بہت کم شاعروں کو نصیب ہوتی ہے۔ جو مرثیے اور رباعیاں نصاب میں داخل ہیں انھیں طلبا جلد یاد کر لیتے ہیں۔ اس جگہ میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میری مراد صرف یہ نہیں ہے کہ ان کا

کلام ہر جگہ نصاب میں داخل کر کے اس خیال کی تکمیل کر دی جائے بلکہ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ملک کے دانشور اور ماہران تعلیم باقاعدہ غور کریں کہ ان کے کلام سے کردار سازی میں کس طرح صحیح طور پہ کام لیا جا سکتا ہے۔

+ + +

ضیاء الحسن موسوی

تاریخ وفات میر انیس

از مصرعہ میر انیس

اپنے بارے میں سخن فرما گئے ہیں جو انیس
اس سے بہتر سال رحلت اور ہو سکتا نہیں
اک صدی کے بعد بھی تاریخ دیتی ہے صدا
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

۱۸۷۴ء

اُردوِ پاک کا وقار انیس

نفیس فتحپوری

شہرِ اُردو کا شہریار انیس ‏— شعر اقلیم۔ تاجدار انیس
موسئ طورِ مجلسِ شبیرؑ ‏— اَوجِ منبر کا ہے وقار انیس
بلبلِ گلستانِ شعر و سخن ‏— باغِ اُردو کی ہے بہار انیس
وضعِ اسلاف کا نمائندہ ‏— قدما کا ہے افتخار انیس
نازشِ لکھنؤ و فیض آباد ‏— اُردوِ پاک کا وقار انیس
سب ہی شاعر ہیں مقتدر۔ لیکن ‏— علم و فن کا ہے تاجدار انیس
منقبت۔ نعت۔ حمد اور سلام ‏— صنف در صنف کا نگار انیس
درخورِ اعتنا نہ تھی جو غزل ‏— کر گیا اُس کو وا گزار انیس
روز مرّہ۔ محاورا۔ بندش ‏— اور محاکات کا نکھار انیس

علم و فن کا ہے بحرِ بے پایاں
استعاروں کا آبشار انیس

خار کو تازگیٔ گل بخشے
گل کو دے رنگ صد ہزار انیس

بزم لکھے تو جانِ محفل ہے
رزم لکھے تو ذوالفقار انیس

مرثیوں میں دکھا دیا تو نے
خونِ مظلوم کا نکھار انیس

جسدِ شعر و فن کی روحِ رواں
مرثیے کا ہے افتخار انیس

مرثیے کی نگاہ داری کو
سیفِ اردو تو اس کی دھار انیس

مرثیہ تاجِ فرقِ شعر و سخن
اور اس تاج کا وقار انیس

اے نفیس اردوِ معلّے کا
کتنا مضبوط ہے حصارِ انیس

حق نے بخشا انیس کو جو شعور
پھر کسی اور کو عطا نہ ہوا
آج تک مرثیے کا بعدِ انیس
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

میر رضی میر

انیسِ خوش بیاں

مظفر چودھری

مرثیہ اک منفرد صنفِ سخن کا نام ہے
شاعری کی شاعری، پیغام کا پیغام ہے

مثنوی کی شان ہے اس میں تسلسل کے سبب
پیکرِ الفاظ میں ہے جلوہ گر ترویجِ ادب

ہے قصیدے کی جزالت بھی، غزل کا سوز بھی
نالۂ دل دوز بھی، پیغام جاں افروز بھی

جلوۂ حفظِ مراتب ہر جگہ سے آشکار
دید کے قابل ہے گلزارِ معانی کی بہار

بزم کی صورت گری ایسی کہ فطرت جھوم اٹھے
رزم کی منظر کشی پر حق کی نصرت جھوم اٹھے

حسن چہرے کا تناسب کی ضیا باری کے ساتھ
روشنی پھیلی ہوئی، فطرت کی بیداری کے ساتھ

سحر کاری وہ تخیل کی، وہ ایمائے گریز
بعدِ رخصت وہ فضا رن کی وہ تصویرِ ستیز

بین میں رقت کا وہ پہلو، وہ تاثیرِ سخن
سوگواری میں شجاعت کا سراسر بانکپن

برمحل ہر موڑ ہے، بے ساختہ ہر گفتگو
وہ اجل کا سامنا، وہ زندگی کی آرزو

مرثیہ گوئی بھی فن ہے، مرثیہ خوانی بھی فن
جانِ تنہائی وہ ہے اور یہ ہے جانِ انجمن

رزمیہ کہیے مگر کیوں رزمیہ کہیے اسے
دل کا اور احساسِ دل کا آئینہ کہیے اسے

یہ اکائی بھی ہے، اس میں سیکڑوں پہلو بھی ہیں
ولولے کے ساتھ آہیں بھی ہیں اور آنسو بھی ہیں

یہ کسوٹی مرثیے کی، فیض و احسانِ انیس
ایک گلزارِ ارم ہے یا گلستانِ انیس

وہ انیسِ خوش بیاں جس پر فصاحت کو ہے ناز
شاعروں میں جس کو حاصل خاندانی امتیاز

خون بن کر شاعری جس کی رگوں میں ہے رواں
سچ تو یہ ہے جس کے شعروں کی زمیں ہے آسماں

ہے زباں پر جس کو قابو، اور بیاں پر اختیار
دید کے قابل ہے اقلیمِ سخن کا اقتدار

ارتقا ہے، انتہا ہے، اوج ہے، معراج ہے
جس کے سر پر کشورِ حسنِ بیاں کا تاج ہے

پھوٹتی ہے، جسکے لفظوں سے حقیقت کی کرن
جسکے لہجے کی کھنک میں ہے نہاں صوتِ حسن

فطرتِ انساں سے واقف، فطرتِ غم کا نقیب
کربلا والوں کا شیدا، اُنکے غم میں غم نصیب

اپنے رتبے کا شناسا، اپنے منصب کا امیں
بے نیازِ اہلِ دُنیا، جاں نثارِ اہلِ دیں

نفس کی عزت کا جو ضامن ہے ایسا رکھ رکھاؤ
اعتبارِ خاطرِ ایماں، طبیعت کا بناؤ

مرثیے کی استخواں بندی میں بے مثل و نظیر
فکر میں بالغ نظر اور نظم میں روشن ضمیر

خدمتِ شعر و سخن کی ہے عبادت کی طرح
مستند ہیں مرثیے جس کے حقیقت کی طرح

زندۂ جاوید کے غم کی بدولت زندہ ہے
شاعری جسکی خدا کے فضل سے پائندہ ہے

کہہ سکے ہم ایک مصرع بھی نہ شایانِ انیسؔ
اے ظفرؔ اے کاش ہم پر بھی ہو فیضانِ انیسؔ

زمینِ مرثیہ گوئی کی اب یہ حالت ہے
کہ جیسے شہر ہو سونا کسی رئیس کے بعد
یہ مرثیے کی سجاوٹ کبھی ہوئی ہی نہیں
کبھی انیسؔ سے پہلے نہ پھر انیسؔ کے بعد

میر رضی میرؔ

ہیں عیاں اشعار سے ایمان کے جوہر انیس

ثمر ہوشنگ آبادی

ہر گھڑی رہتے تھے یوں محوِ غمِ سرور انیس
دل کی جا آئے تھے جیسے کربلا لے کر انیس

حاملِ خوشنودیٔ اللہ و پیغمبر انیس
ہمنوا و ہمطریقِ فطرس و زعفر انیس

مدح خوانوں میں نہیں تجھ سے کوئی بہتر انیس
تیرا حصہ تھا ثنائے آلِ پیغمبر انیس

ہیں عیاں اشعار سے ایمان کے جوہر انیس
عاشقِ قرآں محبِّ آلِ پیغمبر انیس

تیری عظمت دیدنی ہوگی سرِ محشر انیس
آئینگے جس دم ترے اشعار کے دفتر انیس

تیرا ثانی کیا ترے ہمعصر کا ثانی نہیں
کیا سنبھالے گا کوئی شاعر ترا منبر انیس

غم نگارانِ زمانہ ہیں نظر کے سامنے
ٹھوکریں کھاتے ہیں تیری راہ سے ہٹ کر انیس

حق یہ ہے حقِ خطابت کر دیا تو نے ادا
تو تھا منبر کے لئے تیرے لئے منبر انیس

ٹھوکروں میں رستمِ دستاں نظر آنے لگا
یوں لکھی جنگِ علمدارِ شہِ صفدر انیس

واہ کیا کہنا ترا نقاشِ جذباتِ الم
کھینچ دی کاغذ پہ تصویرِ غمِ سرور انیس

خواب کے عالم میں بھی رہتا تھا سرور کا خیال
کربلا میں روح تیری جسم بستر پر انیس

مرثیت کو تازگی بخشی ترے افکار نے
تیرے اک اک لفظ نے برپا کئے محشر انیس

اسوۂ شبیر تیری فکر کا مرکز رہا
تو نے کچھ سوچا نہیں اس فکر سے ہٹ کر انیس

لکھنؤ کی بادشاہت نے دیا تجھ کو خراج
شہر دہلی میں رہی شہرت تری گھر گھر انیس

وجہ حیرت تھا اسد اللہ غالب کے لئے
مرثیت کو لے کے پہنچے کس بلندی پر انیس

شاہنامہ نامرادی کا فسانہ بن گیا
گوہر مقصد کا مخزن ہے ترا دفتر انیس

سوئے گلزارِ تخیل جب قدم تیرے بڑھے
بوئے گل خود آگئی تیری طرف کھنچ کر انیس

سہل ہو جاتی تھی مشکل بات آسانی کیساتھ
موم ہو جاتے تھے تیرے سامنے پتھر انیس

کوئی اردوئے معلیٰ کو مٹا سکتا نہیں
ہے حفاظت کو ترے الفاظ کا لشکر انیس

ہیں کہاں اتنے ستارے آسماں کی گود میں
تیرے دامن میں ہیں جتنے اشک کے گوہر انیس

خدمت علم و ادب کی ہے ترے اجداد نے
مرکز علم و ادب ہے اب بھی تیرا گھر انیس

یادِ سبطِ مصطفیٰ میں صرفِ ماتم ہو گئی
آئے تھے دنیا میں جتنی زندگی لے کر انیس

زندگی بھر یہ سفر جاری رہے گا اے ثمر
شاہراہِ منقبت میں ہیں مرے راہبر انیس

کہی ہیں خوب عراق و حجاز کی باتیں
بتائیں صلح و جہاد و نماز کی باتیں
نہ جانے مرثیہ کہتے تھے یا پیمبر سے
انیس کرتے تھے راز و نیاز کی باتیں

میر رضی میر

آج بھی دُنیا میں قائم ہے دبستانِ انیس

(زاہد فتح پوری)

کتنے گلہائے سخن ہیں زیبِ دامانِ انیس
دامنِ شعروادب ہے یا خیابانِ انیس
سارے عالم کے لئے ہے عام فیضانِ انیس
حشر تک ہم اہلِ اُردو پر ہے احسانِ انیس
کوششِ موہوم ہے تعریف کی، حق تو یہ ہے
کس سے ممکن ہو سکے توصیفِ شایانِ انیس
چپے چپے سے عیاں ہے مرثیہ گوئی کا ذوق
آج بھی دُنیا میں قائم ہے دبستانِ انیس
منقبت ہوں مرثیے ہوں یا رُباعی اور سلام
مغفرت کے واسطے کیا کیا ہیں سامانِ انیس
ذکرِ اہلِ بیت سے پائی حیاتِ جاوداں
تا ابد روشن رہے گا مہرِ تابانِ انیس
ایک تو حسنِ بیان اور اس پہ ذکرِ کربلا
آنکھ ہے مصروفِ گریہ دل ثنا خوانِ انیس
دیکھنا جب مرثیوں کی داد دیں گی سیدہ
حشر میں ہو جائے گی سب پر عیاں شانِ انیس
اُن کے افکار و نظر کا معترف کیسے نہ ہو
قدر دانِ فن ہے زاہدؔ ہر ثنا خوانِ انیس

اے لوح و قلم تیرا مقدر ہے انیس

وفا کانپوری

الفاظ و معانی کا پیمبر ہے انیس دریائے مضامیں کا شناور ہے انیس

اے لوح و قلم تیرا مقدر ہے انیس ملتی ہے کسے علم و ہنر کی معراج

برجِ شرف میں تیرا ستارہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
تو پیغمبر لفظ و معنیٰ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
ایک نئے انداز سے تو نے شہرِ سخن تعمیر کیا
تیری تخلیقات کا چرچا کل بھی تھا اور آج بھی ہے
مشکل بات کو نرم زباں میں کہنے کا فن سکھلایا
فخر کے قابل تیرا لہجہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
اک مضموں کے لاکھوں عنواں ہر عنواں کا ڈھنگ نیا
تیری ندرتِ فکر کا شہرہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
اہلبیت کی مظلومی کا کس نے یوں پرچار کیا
تیرے سر تبلیغ کا سہرا کل بھی تھا اور آج بھی ہے
نقش و نگارِ کرب و بلا میں تو نے کچھ ایسے رنگ بھرے
کرب و بلا کا واقعہ تازہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
تیرے دور سے عہدِ وفا تک سب فیض نصیب ہوئے
ہر شاعر خوشہ چیں تیرا کل بھی تھا اور آج بھی ہے

مجلّہ

یادگارِ مرزا دبیر

دبستانِ انیس راولپنڈی عنقریب مرزا دبیر کی صد سالہ برسی کے موقع پر ایک ضخیم مجلہ شائع کر رہا ہے۔ جس میں ملک کے دانشور، ادیب اور شعراء کی تخلیقات شامل ہیں۔ مزید ناقدین اور شعراء سے گزارش ہے کہ جلد از جلد اپنے مقالے اور نظمیں روانہ کر دیں۔

دبستانِ انیس، ۵۱۳/ڈی سٹلائٹ ٹاؤن
راولپنڈی